تذکرہ

مولانا حکیم عزیز الرحمٰن اعظمیؒ

مرتب

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن الاعظمی ندوی

ناشر

المعہد الاسلامی، پوسٹ بکس ۸/ مئوناتھ بھنجن، یوپی

Al-Mahadul Islami- Post Box No.8

Maunath Bhanjan U.P -275101

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

سنہ اشاعت: ۱۴۳۱ھ مطابق ۲۰۱۰ء

نام کتاب: تذکرۂ مولانا حکیم عزیز الرحمٰن اعظمیؒ
نام مرتب: مولانا سعید الرحمٰن الأعظمی ندوی
باہتمام: مولانا محمد ابصار الحق قاسمی
کمپوزنگ: عبد العلیم رشید، محمد اسماعیل
تعداد صفحات: ۱۶۲

ملنے کے پتے:

(۱) مکتبہ فردوس، مکارم نگر، لکھنؤ
(۲) مکتبہ ندویہ، دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ
(۳) مکتبہ ابو الحسن ندوی۔ لکھنؤ
(۴) مکتبة الشباب العلمية، شباب مارکیٹ۔ لکھنؤ
(۵) مکتبہ احسان مکارم نگر لکھنؤ
(۶) مدرسہ فاران تحفیظ القرآن حقیقت پور مئوناتھ بھنجن
(۷) مکتبۃ الفہیم صدر بازار ریحان مارکیٹ مئوناتھ بھنجن
(۸) نعیم بک سیلر صدر بازار، مئوناتھ بھنجن
(۹) عائشہ گرلس اسکول محلہ نواپورہ پچھم۔ مئوناتھ بھنجن

نمبر شمار	فہرست عناوین	صفحہ
۱	عرض ناشر	۷
۲	**مقدمہ** مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن الأعظمی ندوی	۹
۳	مولانا عزیز الرحمٰن اعظمی اور ان کی کتاب ''مآثر امام اعظم'' مفکر سلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ	۱۲
۴	آہ ! مولانا حکیم عزیز الرحمٰن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم	۱۴
۴	مولانا حکیم عزیز الرحمٰن اعظمی: نقوش وتأثرات مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	۱۶
۵	مولانا حکیم عزیز الرحمٰن اعظمی اور ان کا تصنیفی کارنامہ جناب مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی	۲۲
۶	''سنگم'' ایک مطالعہ حضرت مولانا عبداللہ عباس ندویؒ	۲۷
۷	بھائی صاحب کا سانحہ وفات ڈاکٹر مسیح الرحمٰن اعظمی	۲۹
۸	ایک مخلص اور کرم فرما دوست حضرت مولانا صفی اللہ صاحب القاسمی	۲۳
۹	اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے جناب مولانا بدر الحسن قاسمی	۳۴
۱۰	ایک جامع الکمالات شخصیت مولانا نور عالم خلیل امینی	۴۲

۱۱	سدا باغ و بہار شخصیت مولانا عتیق احمد بستوی	۵۶
۱۲	ایک ہمہ جہت شخصیت مولانا حکیم عبدالحمید صاحب	۶۰
۱۳	ایک روشن دماغ تھا نہ رہا مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی	۶۵
۱۴	وہ جو بیچتے تھے دوائے دل..... مولانا شمس تبریز خاں	۶۹
۱۵	حضرت مولانا عزیز الرحمٰن اعظمی صاحب کی طبی و علمی خدمات مولانا اقبال احمد اعظمی ندوی مدنی	۷۰
۱۶	بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی مولانا احمد خضر شاہ مسعودی	۷۸
۱۷	قدیم اقدار کی حامل ایک قابل فخر شخصیت مولانا نسیم اختر شاہ قیصر صاحب	۸۰
۱۸	حضرت مولانا حکیم عزیز الرحمٰن اعظمی حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی	۸۳
۱۹	غمگسار و مونس و ہمدرد مخلص مہرباں مولانا عبدالخالق ندوی	۸۸
۲۰	جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں مولانا مسعود احمد الأعظمی	۹۰
۲۱	ایک شخص، ایک کارواں مولانا محمود حسن حسنی ندوی	۹۶

۲۲	ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے مولانا جمال احمد ندوی	۹۸
۲۳	ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	۱۰۱
۲۴	مولانا حکیم عزیز الرحمٰن اعظمی بحیثیت شاعر مولانا محمد ابصار الحق قاسمی	۱۰۷
۲۵	مولانا حکیم عزیز الرحمٰن اعظمی کی تحریر کے چند نمونے عطاء الرحمٰن اعظمی ندوی	۱۱۶
۲۶	حضرت حکیم صاحب کی جامع نصیحتیں محمد فرمان ندوی	۱۲۱
۲۷	میرے بڑے ابا مرحوم قاری وصی الرحمٰن بن ڈاکٹر مسیح الرحمٰن اعظمی	۱۲۳
۲۸	مولانا حکیم عزیز الرحمٰن اعظمی کی بعض تصنیفات..... عبداللہ مخدومی ندوی	۱۲۴
۲۹	اخبارات کے تراشے	۱۲۸
۳۰	تعزیتی جلسے دار العلوم مئو جامعہ مفتاح العلوم مئو بزم شبلی کوپا گنج جمعیۃ علمائے ہند ضلع مئو جامعہ مصباح العلوم کوپا گنج مدرسہ فاران تحفیظ القرآن مئو جمعیۃ علماء علی گڑھ اجمل خاں طبیہ کالج علی گڑھ	۱۳۱

۳۱	تعزیتی مکاتیب	۱۳۸
	حضرت مولانا قاری محمد مبین صاحب دامت برکاتہم	
	مولانا قاری عبدالحمید صاحب ندوی	
	جناب پروفیسر سید وسیم اختر صاحب	
	مولانا نیاز احمد صاحب ندوی	
	مولانا عزیر احمد صاحب قاسمی	
	مولانا محمد کلیم صدیقی صاحب	
	مولانا احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری	
	مفتی جلیل الرحمٰن صاحب قاسمی	
	مولانا محمد صابر صاحب مظفرنگری	
	مولانا محمد طاہر صاحب ندوی	
	مولانا نثار احمد صاحب قاسمی	
	مولانا محمد یونس صاحب ندوی	
	مولانا محمد اسعد صاحب قاسمی	
	مولانا امین عثمانی ندوی	
	مولانا شاہد اعظمی، ادروی	
	مولانا سراج الدین ندوی	
	ڈاکٹر اورنگ زیب اعظمی	
	جناب محمد یحییٰ صاحب مئو	
	جناب محمد طیب پالکی صاحب مئو	

عرض ناشر

الحمد لله كفى، وسلام على عباده الذين اصطفى، أمابعد:

اللہ کا شکر ہے کہ اس وقت ہمیں اپنے محسن ومربی حضرت مولانا حکیم عزیز الرحمٰن صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات کے موقع پر لکھے ہوئے چند قیمتی اور اہم مضامین کی طباعت واشاعت کی توفیق حاصل ہورہی ہے۔ حضرت حکیم صاحبؒ کی شخصیت ہمہ جہت تھی، وہ ایک فاضل اور ماہر عالم دین کے ساتھ زبردست حکیم اور نباض تھے، ان کا تربیتی انداز بہت نرالا تھا، وہ خوش اسلوبی کے ساتھ بڑی سے بڑی غلطیوں پر تنبیہ کرتے اور مناسب موقع پر لوگوں کی اصلاح فرمایا کرتے تھے، اس طرح سے لوگ ان کے معتقد ہوتے اور ان کی شخصیت سے کسب فیض کرتے، وہ ایک کہنہ مشق مصنف تھے، ان کی کتابوں کا خصوصی امتیاز علمیت، مواد کی فراہمی اور آسان زبان ہے، ان کو ترجمہ کرنے پر بھی بڑی قدرت تھی، عربی سے اردو، فارسی سے اردو وغیرہ میں ان کے ترجمے اپنی مثال آپ ہیں، ان کی بہت سی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔

حضرت حکیم صاحبؒ کی شفقتیں اس بندۂ ناچیز پر بے شمار ہیں، اس ناچیز کو سفر وحضر میں ان کی رفاقت کا موقع ملا، میں اللہ کے حضور گواہی دیتا ہوں کہ وہ ایک ولی کامل تھے، وہ ہر گام پر میری رہبری اور دستگیری فرمایا کرتے تھے، میں ان کے کن کن احسانات کو گناؤں، بس بارگاہ الٰہی میں دست بدعا ہوں کہ مالک ومولیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائیں، اور اعلی علیین میں ان کو جگہ عطا فرمائیں۔

اس موقع پر میں اپنے مخدوم مکرم ومربی جلیل حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء کا شکریہ نہ ادا کروں تو بڑی ناسپاسی ہوگی، کیونکہ

حضرت والا دامت فیوضہم نے میری درخواست کو شرف قبولیت سے نواز کر احقر کو ان مضامین کی اشاعت کی اجازت مرحمت فرمائی اور میرے اصرار پر بیش قیمت مقدمہ بھی تحریر فرمادیا۔

اس موقع پر میں اپنے محترم دوست جناب سہیل احمد صاحب انچارج دفتر البعث الاسلامی ندوۃ العلماء لکھنؤ، مولانا ارشاد احمد اعظمی ندوی انچارج مکتبہ شعبہ کلیۃ اللغۃ العربیۃ، مولانا عبداللہ مخدومی ندوی دفتر اہتمام دارالعلوم ندوۃ العلماء، مولانا حافظ اکرام الحق ندوی استاد مدرسہ فاران تحفیظ القرآن مئو اور محمد اقرار بارہ بنکوی متعلم عالیہ رابعہ شریعہ کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں، کیونکہ انہیں حضرات کے تعاون سے اس کتاب کی طباعت واشاعت میرے لئے آسان ہوئی۔

دعا ہے اللہ رب العزت اس کتاب کو قبولیت سے سرفراز فرمائیں، اور مرحوم کو ان کی کاوشوں کا بہترین بدلہ عطا فرمائیں۔ (آمین)

بندۂ عاجز وناتواں

ابصار الحق قاسمی

ناظم المعہد الاسلامی مئو ناتھ بھنجن، یوپی

۱۴۳۰/۱۲/۱۵ھ

مقدمہ

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید الأنبیاء والمرسلین محمد وعلی آلہ وأصحابہ أجمعین۔ وبعد۔

میرے بڑے بھائی مولانا حکیم عزیز الرحمٰن صاحب اعظمیؒ کی شخصیت پر یہ مثل بڑی حد تک صادق آتی ہے کہ ''بعض اوقات ایک آدمی ایک اکیڈمی کے برابر ہوتا ہے'' میں نے یہ جملہ اپنے شیخ ومرشد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سنا تھا، اسی طرح میں اپنے بھائی صاحبؒ کے بارے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ رات دن اپنے تحریری کاموں میں مطب کی مشغولیت کے ساتھ ساتھ مشغول رہا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر طرح کی علمی صلاحیت عطا کی تھی، تاریخ کے میدان میں خواہ وہ عالمی ہو یا مقامی، بہت گہری نظر رکھتے تھے، اسی طرح جنگ آزادی کے سلسلہ میں ان کی معلومات کا افق بہت وسیع تھا، ان کی ذہانت اور حاضر جوابی اپنی ایک خصوصیت رکھتی تھی، اور کسی بھی واقعہ کی تہہ تک پہونچنے میں وہ اپنی مثال آپ تھے۔

ہندوستان کی شخصیات سے وہ پوری طرح نہ صرف یہ کہ واقف تھے، بلکہ ان کے کارناموں پر بھی تحقیقی نظر رکھتے تھے، علمائے کرام اور اہل قلوب کے بارے میں ان کی مبصرانہ رائے بہت قیمتی ہوا کرتی تھی، ان کی انگریزی دانی اور فارسی زبان پر قدرت کا سکہ واقف کار حضرات کے دلوں پر بیٹھا ہوا تھا، وہ برجستہ اردو شاعری کے ساتھ فارسی شاعری میں بڑی مہارت رکھتے تھے، ان کا دیوان بہت سی تاریخی، علمی باتوں اور ان کی شاعری کے نمونوں پر مشتمل تھا، وہ دارالعلوم دیوبند کے حادثے میں دوسرے بہت سے مسودات کے ساتھ کھو گیا، وہ دارالعلوم دیوبند کے واقعہ سے دلگیر تھے ہی کہ یہ دوسرا سانحہ ان کے لئے انتہائی حزن وملال کا باعث ہوا۔

جب بھی وہ کسی علمی، تاریخی یا ادبی موضوع پر اپنی معلومات کا ذخیرہ بکھیرتے تھے تو سننے والے ہمہ تن گوش ہوا کرتے تھے، اور ان سے استفادہ کے مواقع کے برابر متوقع رہا کرتے تھے۔ ان کی سب سے بڑی خوبی میں نے جو دیکھی، وہ یہ تھی کہ ہر حال میں وہ اپنے وقت کو مکمل

طور پر کار آمد بنانے میں مصروف رہا کرتے تھے، اس کی شہادت ان سے تعلق رکھنے والے حضرات اوران کے تلامذہ بھی دے سکتے ہیں۔

تحریک ندوۃ العلماء، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، اوردارالعلوم دیوبند کی تاریخ سے ان کی معلومات مثبت حقائق پر مبنی تھیں، مستقبل کا مؤرخ ان کے اس امتیاز پر پوری طرح روشنی ڈال سکے گا، ان کی کتاب ''مآثر امام اعظم'' پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمہ اللہ نے دعائیہ کلمہ تحریر فرمایا تھا وہ بھی تبرکاً کتاب کے شروع میں دیا جارہا ہے۔اس سلسلہ میں مولوی محمد فرمان ندوی سے تعاون ملا۔

یہ کتابچہ فوری تأثر کے ماتحت ہمارے دوست مولانا ابصار الحق صاحب قاسمی اپنے ادارہ المعہد الاسلامی مئو کی طرف سے شائع کررہے ہیں، ان کو مرحوم سے بہت زیادہ قلبی لگاؤ تھا، اور تقریباً روزانہ ان سے کسی نہ کسی وقت ملتے اور انکی خدمت میں بیٹھتے تھے، وہ بھی انہیں شفقت ومحبت کی نظر سے دیکھتے تھے، اوران کے تعلق کی قدر کرتے تھے، بہت سے علمی اور تعلیمی معاملات میں ان سے مشورہ کیا کرتے تھے، مقام شکر ہے کہ اللہ تعالی نے ان کے حصہ میں رسالہ کی طباعت مقدر فرمایا، اورانہوں نے باصرار اس کو شائع کرنے کی ذمہ داری قبول کی۔

دعا ہے اللہ تعالی اس کتابچہ کو مرحوم کی زندگی کا ایک ابتدائی خاکہ پیش کرنے کا ذریعہ بنائیں، اورعلم وعمل کے میدان میں کام کرنے والوں کو احساس ذمہ داری کا جذبہ پیدا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ وما علینا الا البلاغ۔

راقم الحروف

سعید الرحمٰن الأعظمی ندوی

مدیر البعث الاسلامی، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

۱۳/۱۲/۱۴۳۰ھ

۳۰/۱۱/۲۰۰۹ء

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

مولانا عزیز الرحمٰن اعظمیؒ

اوران کی کتاب ''مآثر امام اعظم''

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

الحمد لله ، وسلام على عباده الذين اصطفى ، أما بعد۔

جن لوگوں کی ادیان وملل کی تاریخ پر نظر ہے، وہ جانتے ہیں کہ دین اسلام اور امت مسلمہ کے امتیازات میں جن میں کوئی دین وملت اور ان کی تاریخ اس دین وملت سے ہمسری کا دعوی نہیں کرسکتی۔ یہ خصوصیت بھی ہے کہ اس دین کی نشر واشاعت اور اس کے نتیجہ میں وسیع انسانی معاشرہ اور متمدن حکومتوں کے قیام اور اس کے خود اپنے دین پر عمل کرنے اور دنیا کی رہنمائی کے بالکل ابتدائی دور ہی میں اس کو وہ ذہین ترین، اہل ترین اور مخلص ترین عالم، دین کے شارح، اصول سے فروع اور کلیات سے جزئیات کا استخراج کرنے والے افراد مل گئے، جنہوں نے عبادات سے لے کر معاملات اور سلطنتوں کے نظم ونسق کے دائرہ تک مسائل کا حل اور کتاب وسنت کی روشنی میں اس کی رہنمائی سے مسلمانوں کو اپنے دینی فرائض انجام دینے اور دین کے مطابق معاملات، تعلقات، اور انتظام سلطنت میں پیش آنے والے مسائل ومراحل میں دین کے احکام کے مطابق زندگی گزارنے کے لئے ایسی بروقت رہنمائی کہ مسلمانوں کو نہ تو انتظار کرنے اور تاریکی میں زندگی گزارنے کی ضرورت پیش آئی، نہ ہمسایہ غیر مسلم قوموں اور ان کے قوانین وآئین کو اختیار کرنے کی ضرورت پیش آئی جو صدیوں کے متمدن ترین ممالک پر حکومت کررہے تھے۔

یہ کارنامہ اور احسان محدثین اور فقہاء بالخصوص ائمہ مجتہدین اور بالاخص ائمہ اربعہ کا ہے، ان میں بھی اسلامی قلمرو کا متمدن ترین خطہ (دارالخلافہ بغداد وعراق) اور طویل ترین عہد

سلطنت اور وسیع ترین رقبہ زمین جس کو دینی رہنمائی اور فقہ واجتہاد کی ضرورت تھی، امام ابوحنیفہؒ اور ان کے تلامذہ اور حنفی المذہب قضاۃ وحکام کے حصہ میں آیا، اس لئے ان کو زیادہ محنت اور ذہانت سے کام لینا پڑا، اور اس کے نتیجہ میں فقہ حنفی کا یہ عظیم ذخیرہ وجود میں آیا، جس سے ہر زمانہ میں کام لیا جاسکتا ہے۔

اس بنا پر امام اعظم کی سیرت وسوانح کی ترتیب وتالیف اور اس میں کسی طرح کا حصہ لینا ایک منت شناسی اور شکر گزاری کی قسم ہے، اور اس سلسلہ میں محنت کرنے والا اور اپنا وقت عزیز صرف کرنے والا شکریہ کا مستحق ہے اور دعاؤں کا بھی۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اپنی شدید مصروفیت اور صحت کی کمزوری کی بنا پر مولانا حکیم عزیز الرحمٰن صاحب کی پوری کتاب مآثر امام اعظمؒ پر پوری نظر نہیں ڈال سکا اور اس کو بالاستیعاب پڑھنے کا موقع نہیں ملا، وہ جب زیور طبع سے آراستہ ہوگی تو اہل علم اور صاحب اختصاص اس پر بمصرانہ نظر ڈالیں گے، اور اہل ذوق اور مدارس عربیہ کے اساتذہ وطلبہ اس سے استفادہ کرسکیں گے، راقم سطور جو اس موضوع پر کسی وسیع وعمیق مطالعہ کا دعویٰ نہیں کرتا، اور جو کتاب کو اول سے آخر تک پڑھ بھی نہیں سکا، صرف اظہار تشکر اور اس دعا پر اکتفا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی یہ سعی قبول فرمائے اور ان کو اس محنت کا اجر وثواب عطا فرمائے۔ ان اللہ لا یضیع أجر المحسنین.

(دعائیہ کلمات بر کتاب مآثر امام اعظم: ۳۰ ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ)

آہ! مولانا حکیم عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم
(ناظم ندوۃ العلماء، لکھنؤ وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ)

مولانا حکیم عزیز الرحمٰن صاحب اعظمیؒ مئو کی ایک بڑی علمی اور تعلیمی شخصیت مولانا محمد ایوب صاحب شیخ الحدیثؒ کے بڑے صاحبزادے تھے، انہوں نے اپنے والد معظم کے علمی اشتغال کو وراثت میں پایا اور علم سے اپنی دلچسپی تعلیم وتصنیف دونوں شعبوں میں اچھے معیار سے دنیا کے سامنے پیش کی۔ ان کی شہرت حکیم کی حیثیت سے بھی ہوئی، لیکن وہ اصلاً طب کے طالب علم نہیں رہے تھے، بلکہ اپنے شیخ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوری رحمۃ اللہ علیہ کے مشورہ سے اس لائن کو بھی اختیار کیا، اور ذاتی محنت سے اس میں بھی اپنا مقام بنایا اور اسی کی بنیاد پر دارالعلوم دیوبند کے طبیہ کالج میں طب کے عرصہ دراز تک استاد رہے، یہ موضوع اگرچہ ان کے لئے اضافی تھا، لیکن اس کو انہوں نے اس طرح سنبھالا کہ ان کا اصل موضوع معلوم ہوتا تھا، ورنہ ان کا اصل موضوع علوم دینی اور ثقافتی موضوعات رہے تھے، چنانچہ دارالعلوم دیوبند سے ریٹائر ہونے کے بعد انہوں نے اصل موضوع کی طرف توجہ کی، اور ایسی ڈکشنریاں تیار کیں جو بڑی ضخامت بھی رکھتی ہیں اور اپنے میں خاص ندرت بھی رکھتی تھی، عجیب بات یہ ہے کہ انہوں نے یہ کام زیادہ تر اپنی کبرسنی کے زمانہ میں کیا، جب کہ وہ مختلف ایسے جسمانی امراض رکھتے تھے جن سے وہ خاصے کمزور ہو گئے تھے، لیکن علمی شغف میں وہ صحت مندوں کو بھی مات کئے ہوئے تھے، اس طریقہ سے انہوں نے علم کے سرمایہ میں قیمتی اضافہ کیا، جس سے اہل علم عرصہ دراز تک فائدہ اٹھا سکیں گے۔

وہ اپنی علمی مشغولیت اور دلچسپی کے ساتھ ساتھ دینی خصوصیات کے بھی بڑے حامل تھے، انہوں نے اپنے شیخ حضرت شاہ وصی اللہ صاحب سے بڑا فیض حاصل کیا تھا اور ان کی شفقت سے مستفید ہوئے تھے، اس بات نے ان میں دینی خصوصیات پیدا کردی تھیں، اور علمائے دین کا جو خصوصی انداز اور عمل ہے اس کے حامل تھے، علم و دین دونوں میں سنجیدگی کا جو مزاج ہے اس کے باوجود ان میں خوش طبعی کی بھی خصوصیت تھی، ان کی مجلس باغ و بہار ہوتی تھی، گفتگو دلچسپ اور مزیدار ہوتی تھی۔

حکیم صاحب مرحوم نے اچھی عمر پائی اور انہوں نے اخیر تک دین اور علم کی خدمت میں اپنی زندگی گزاری، اور دینی و علمی مشغولیت میں استقامت کا ثبوت دیا، ایک ممتاز خصوصیت کی شخصیت تھے، ان کی ہر دلعزیزی اور دلآویزی کا اظہار ان کے انتقال پر ہوا کہ بارش کے ہوتے ہوئے بڑی تعداد میں اہل تعلق قبرستان گئے اور مٹی دیکر واپس ہوئے۔

حکیم صاحب تین بھائی تھے، ان کے دو بھائی ان سے چھوٹے ہیں، اور وہ دونوں بھی اپنے اپنے میدان میں لیاقت اور صلاحیت کے حامل ہوئے، ان میں سے ایک مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب اعظمی ندوی ہیں جو دارالعلوم ندوۃ العلماء کے استاد و مہتمم، متعدد کتابوں کے مصنف اور مشہور عربی مجلّہ البعث الاسلامی کے اڈیٹر اور کئی اداروں کے ذمہ دار اور سرپرست، انگلرل یونیورسٹی کے چانسلر ہونے کے ساتھ بین الاقوامی شہرت رکھتے ہیں۔ سب سے چھوٹے بھائی ڈاکٹر مسیح الرحمٰن صاحب نے عصری علوم میں کامیابی کے ساتھ تعلیم حاصل کی اور ترقی کی، دینی مزاج اور قوم وملت کی خدمت کا جذبہ رکھتے ہیں۔ اسی طرح حکیم صاحب کی خصوصیات سے ان کے صاحبزادے محی الدین طیب نے بھی استفادہ کیا، اور ایک کارگزار شخص ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حکیم صاحب کو بھائیوں اور اولاد کی یادگار کے علاوہ متنوع موضوعات پر تصنیفات بھی عطا کیں، اور یہ ایسی یادگاریں ہیں جن سے ہر جگہ لوگ فائدہ اٹھاسکیں گے اور یہ ان کے لئے بڑا صدقۂ جاریہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے۔ ان کی خدمت کو قبول فرمائے، ان کے درجات کو بلند فرمائے اور اپنے مقرب بندوں میں شامل فرمائے۔ آمین۔

برادر معظم مولانا حکیم عزیز الرحمٰن اعظمیؒ

نقوش وتأثرات

سعید الرحمٰن الأعظمی ندوی

سال رواں رمضان ۱۴۳۰ھ کا وہ لمحہ کتنا غم انگیز تھا جب برادر معظم ومحترم مولانا حکیم عزیز الرحمٰن اعظمی کی اس دار فانی سے رحلت کی اطلاع ملی، والد ماجد حضرت مولانا محمد ایوب صاحب اعظمیؒ سابق شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی وفات کے بعد ذہن ایک بار پھر زبردست صدمے سے دوچار ہوا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کا حادثۂ وفات مورخہ ۱۰ر ستمبر ۲۰۰۹ء کو پیش آیا، انتقال سے قبل ان کی ران کی ہڈی میں فریکچر ہوا، علاج کے بعد کسی قدر افاقہ ہوا، لیکن وقت موعود آچکا تھا، چنانچہ انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا، اور شاداں وفرحاں مبارک مہینہ میں اپنے رب کے حضور پہونچ گئے، ان للہ ما أخذ ولہ ما أعطی وکل شیئ عندہ الی أجل مسمی۔

برادر معظم مولانا حکیم عزیز الرحمٰن اعظمی ۱۹۱۹ء میں پیدا ہوئے، وفات کے وقت انکی عمر تقریبا ۹۰ رسال سے کچھ اوپر تھی، تعلیمی زندگی کا آغاز والد صاحب کے آغوش تربیت میں رہ کر کیا، پھر جامعہ عالیہ مئو میں اور اس کے بعد جامعہ مفتاح العلوم مئو میں داخلہ لیا، جہاں سے فراغت کے بعد اعلی تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند کا قصد کیا، اور وہاں سے بھی سند فراغت حاصل کی، علوم عصریہ میں آپ کا امتیاز نمایاں تھا، ذاتی محنت سے انہوں نے انگریزی زبان میں مہارت حاصل کرلی تھی، پھر اتر پردیش مدرسہ بورڈ میں بی-اے تک کی تعلیم مکمل کی اور امتیازی نمبرات سے کامیاب ہوئے، فارسی زبان پر ان کو غیر معمولی دسترس حاصل تھی، یہی وجہ

ہے کہ ڈی -اے-وی کالج مئو (D.A.VCollege) میں خاصی مدت تک فارسی کے استادر ہے۔ پھرانہوں نے بذات خوداس ملازمت سے سبک دوشی اختیار کی اور مئو ہی میں ایک بڑی فارمیسی کھولی جس میں نوع بنوع کی دوائیں تھیں اور ماہر اطباء کی خدمات بھی حاصل تھیں، وہ فارمیسی عوام وخواص کا مرجع رہی ،اسی دوران انہیں اپنے اندرایک عجیب بے کیفی اور اضطراب کا احساس ہوا، چنانچہ انہوں نے عارف باللہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ فتح پوری (رحمہ اللہ) کی خدمت میں حاضری دی اوران سے اصلاحی تعلق قائم کیا۔ وہ برابران کے ہفتہ واری پروگرام میں شریک ہوتے تھے، اوران سے کسب فیض کرتے تھے۔ کچھ دنوں کے بعد برادر معظم حکیم صاحب نے فارمیسی کو بند کر کے شیخ کی خدمت میں قیام کو ترجیح دی اور انہیں کی تربیت گاہ میں اپنے روز وشب گزارنے لگے، حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ جب الہ آباد منتقل ہو گئے، تو مستقل طور پر بھائی صاحب نے بھی انہیں کے در دولت کو اپنا مستقر بنایا۔

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نے جب اس فاضل نوجوان کے اندر خیر وصلاح کے نقوش دیکھے، اوراس کے اندر خدمت خلق کا جذبہ موجزن پایا، توان کو طب اسلامی کی تعلیم کا مشورہ دیا، انہوں نے حضرت کے حسب ایماء طبابت میں حذاقت پیدا کی ، دارالعلوم دیوبند میں جب جامعہ طبیہ قائم ہوا تو حضرت شیخ کے مشورہ ہی سے وہاں مدرسی اختیار کی، پھر کچھ مدت کے لئے پرنسپل بھی مقرر ہوئے۔ شیخ نے رخصت کرتے وقت دعا دی تھی کہ انشاء اللہ کامیابی ہر منزل پر تمہارے قدم چومے گی اور میں تمہارے دین، تمہاری امانت اور حسن خاتمہ کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ یہ دعا بھائی صاحب کے لئے بہترین سوغات ثابت ہوئی، اوراس نے زندگی کے ہر موڑ پران کیلئے خضر راہ کا کام کیا۔

حکیم عزیز الرحمٰن صاحب جامعہ طبیہ دیوبند میں مدرسی کے دوران ایک ماہر اور مقبول استادر ہے، طلباء اور اساتذہ کے درمیان وہ ایک متواضع ،ملنسار اور بااخلاق انسان کی حیثیت سے متعارف تھے، تقریباً ۲۷ رسال انہوں نے جامعہ طبیہ میں گذارے، پھر ریٹائرمنٹ لیکر الہ آباد میں حضرت شیخ کی خدمت میں قیام کیا۔ قارئین کے علم میں ہے کہ حضرت مولانا شاہ

وصی اللہ فتحپوریؒ فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے بذریعہ بحری جہاز روانہ ہوئے، ساتھ میں رفقاء اور احباب کی ایک جماعت تھی، راستہ میں ۱۳۸۷ھ/ ۱۹۶۷ کو ان کا انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، انتقال کے بعد برادر معظم حکیم صاحب نے اپنا پرانا مشغلہ جاری رکھا، مطب میں مریضوں کے امراض کی تشخیص کرنا، انکے لئے نسخے تجویز کرنا انکا صبح وشام کا شغل تھا۔

حکیم صاحب ایک باذوق عالم تھے، طبابت کے ساتھ تصنیف وتالیف کے ذریعہ بھی انہوں نے دین کی خدمت کی، طب کے موضوع پر کئی کتابیں تصنیف کیں ہیں، ان میں وصی میڈیکل ڈکشنری، امراض صدریہ، سوانح عطار، کتاب الرحمۃ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی طب نبوی کے عنوان سے موجود کتاب کو اردو قالب میں منتقل کیا، اور وہ مولانا مختار احمد ندویؒ کے ادارہ سے شائع ہوکر مقبول خواص وعوام ہوئی، مزید ماثر امام اعظم، سوانح فراہی، سوانح ابو ہریرہ، اعجاز علمی کی بنیادیں، شاداب افریقہ (یہ کتاب معالی الشیخ محمد بن ناصر العبودی ڈپٹی ڈائرکٹر رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی کتاب ''افریقیا الخضراء'' کا اردو ترجمہ ہے) نامی کتابیں لکھیں۔ انکا ایک نمایاں کام ''سنگم'' کے نام سے ہے، جو عربی کی لغت ''المورد'' کا اردو ترجمہ ہے۔ اس طرح یہ لغت سہ لسانی ''تھری لینگول ڈکشنری'' (Tri Lingual Dictionary) کے نام سے موسوم ہے، اور مکتبۂ فردوس مکارم نگر لکھنؤ سے تین جلدوں میں چھپ کر منظر عام پر آچکی ہے۔

عمر کے اخیر دور میں ان کا ایک اہم کام اردو میں حدیث شریف کی ایک ضخیم لغت ہے، تصنیف کا کام مکمل تھا، طباعت کے مرحلہ میں کتاب تھی، اور انہوں نے اس کے کچھ پروف بھی دیکھے تھے، یہ مسودہ منتظر اشاعت تھا کہ وہ اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے۔ حدیث شریف سے متعلق انکا یہ تصنیفی کام تین ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ ان کے اور بھی غیر مطبوعہ مسودات ہیں، جو شائع شدہ کتابوں سے کہیں زیادہ ہیں۔

حکیم عزیز الرحمٰن صاحب وسعت اخلاق، علمی مہارت اور صاف گوئی میں امتیازی شان رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے فارسی، اردو اور گاہے بگاہے عربی میں شعر کہنے کا ملکہ عطا فرمایا تھا۔ وہ

علماء شناس تھے۔ اور معاشرے کے ہر طبقہ سے راہ ورسم رکھنے کا ہنر جانتے تھے۔ انہوں نے اپنے پیچھے شاگردوں میں علماء اور ڈاکٹروں کی ایک بڑی تعداد چھوڑی، وہ تاحیات اپنے مرشد حضرت مولانا وصی اللہ صاحب فتح پوریؒ سے وابستہ رہے، انکے انتقال کے بعد انکے خلف الرشید حضرت اقدس قاری محمد مبین صاحب مدظلہ اور خاندان کے دوسرے افراد سے تعلق رکھا، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ، حضرت مولانا محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ، ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتھم، مولانا سید محمد الحسنی رحمۃ اللہ علیہ، اور مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی حال معتمد تعلیم ندوۃ العلماء سے بھی انکے گہرے مراسم تھے، انہوں نے اپنی سہ زبان لغت کی کتاب سنگم پر مولانا سید محمد واضح رشید صاحب حسنی ندوی سے مقدمہ لکھنے کی درخواست کی تھی، چنانچہ ان کے مقدمہ سے کتاب کی وقعت میں اضافہ ہوا، اس کے علاوہ مرحوم کا تعارف دارالعلوم ندوۃ العلماء کے سبھی اساتذہ اور مدرسین سے تھا، خاص طور سے جناب مولانا محمد ظہور صاحب ندوی، جناب مولانا برہان الدین صاحب، جناب مولانا عتیق احمد صاحب اور مولانا نیاز احمد صاحب ندوی نیز مولانا ابوسحبان صاحب ندوی سے شروع سے تعلق تھا، اور یہ حضرات ان کی یہاں آمد پر ان سے ملاقات کا جذبہ رکھتے تھے، جناب ڈاکٹر اشتیاق حسین صاحبؒ اور مولانا عبدالغفار صاحب مرحوم سے بھی ان کے اچھے مراسم تھے، اور دارالعلوم دیوبند میں ان کا تعلق خاص طور سے مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب، مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی، مولانا نور عالم صاحب امینی سے تھا، اسی طرح مولانا ضیاء الدین اصلاحی صاحبؒ سے بھی گہرا علمی تعلق تھا، حضرت مولانا قمر الزماں الہ آبادی مدظلہ العالی، اور مولانا مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی، جناب حبیب اللہ اعظمی صاحب مشیر دینی تعلیمی کونسل، ڈاکٹر مسعود الحسن عثمانی جنرل سکریٹری دینی تعلیمی کونسل، اور جناب انیس انصاری سینئر آئی، ایس افسر وغیرہ حضرات نے تعزیت پیش کی۔

خانوادۂ علم اللہی کے بزرگوں بالخصوص مجاہد اعظم حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے کارناموں کا تذکرہ بڑے اچھے انداز میں کرتے تھے۔ اور ندوہ اور اہل ندوہ کی تعریف میں وہ

رطب اللسان رہتے تھے، آغاز شباب ہی سے ندوۃ العلماء سے انکا تعلق استوار رہا اور تادم واپسیں قائم رہا۔ ملک کے دوسرے علماء اور مشائخ، علمی اور تحقیقی اداروں کے ذمہ داران سے بھی انکا ربط رہا، وہ اسلامی تاریخ کے نشیب وفراز سے واقف تھے، انہوں نے بڑی گہرائی کے ساتھ اس کا مطالعہ کیا تھا، قدیم وجدید احوال پر ان کی نظر بڑی عمیق تھی۔

ع حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

عجیب اتفاق ہے کہ انتقال کے موقع پر ان کے صاحبزادے محی الدین طیب اعظمی گھر پر موجود نہیں تھے۔ وہ دبئی میں پہلے ایک مسجد کے امام وخطیب کی حیثیت سے مقیم تھے پھر اوقاف کے دفتر سے منسلک ہو گئے، انتقال کی خبر پا کر وہ فوراً وطن واپس آئے اور اہل خانہ کی تسکین کا باعث بنے۔ دبئی میں ان کا قیام ایک عرصے سے ہے۔ اس درمیان حکیم صاحب سے انہوں نے درخواست کی کہ وہ کچھ وقت وہاں بھی آکر گزاریں۔ چنانچہ حکیم صاحب نے وہاں ایک مدت تک قیام کیا۔ اس درمیان ان کا مخلصانہ تعلق حضرت مولانا قاری عبدالحمید صاحب ندوی امام وخطیب جامع مسجد السلام پار دبئی سے بہت گہرا تھا، ان کے علاوہ انہیں کے ذریعہ سے جن شخصیات کی زیارت اور ان سے ملاقات رہی، ان میں شیخ علی بن سالم رحمہ اللہ، شیخ عبدالرزاق رصاصی، بھائی مظفر کولا صاحب، شیخ محمد بن علی الحمود، شیخ سالم بن علی الحمود، شیخ سالم بن عبداللہ الحمود، شیخ علی بن عبداللہ الحمود وغیرہ۔ اس درمیان بھی انہوں نے اپنا تصنیفی عمل جاری رکھا۔ ۲۰۰۰ء میں جب والدہ مرحومہ کا انتقال ہوا۔ تو وہ ہندوستان واپس آئے۔ اور یہیں قیام پذیر رہے۔

برادر معظم ہمارے خاندان کے بزرگ ترین فرد تھے، راقم سطور برابر ان کی شفقتوں سے شاد کام رہا، انہوں نے میری تعلیم وتربیت کی بہت فکر کی۔ میرے چھوٹے بھائی پروفیسر مسیح الرحمٰن اعظمی کو بھی اپنی نگرانی میں رکھا، جنہوں نے کیمسٹری میں مہارت پیدا کر کے علی گڑھ یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی، اس وقت وہ اگیگرل یونیورسٹی لکھنؤ میں پروفیسر ہیں، قبل ازیں شبلی کالج اعظم گڑھ میں تدریسی خدمات ایک طویل مدت تک انجام دے چکے ہیں۔

۲۴ رمئی ۲۰۰۹ء کو جب میری بیٹی اسماء سلمھا اللہ کا عقد عزیزی مفتی محمد عبداللہ ندوی کے

ہمراہ طے ہوا تو وہ اپنی پیرانہ سالی کے باوجود لکھنؤ تشریف لائے اور دو دن تک قیام کیا۔ اس درمیان مہمانوں کے استقبال، انکے اعزاز واکرام میں پیش پیش تھے، یہ میری انکی آخری ملاقات تھی، شعبان میں ملنے کا پروگرام بنایا، لیکن ان سے ملاقات شاید مقدر نہ تھی، اس دوران ٹیلیفون پر گفتگو کا سلسلہ جاری رہا، اس کے بعد انتقال کا سانحہ پیش آیا، اللہ تعالیٰ مرحوم کو غریق رحمت فرمائیں۔ اور اپنی رحمتوں کے آغوش میں لے لیں، جنت الفردوس میں انکی منزل انبیاء، شہداء، اولیاء اللہ اور صالحین کے جلو میں ہو۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

مولانا حکیم عزیز الرحمٰن اعظمیؒ اور ان کا تصنیفی کارنامہ

جناب مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی

معتمد تعلیم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

اسلام کا روشن آفتاب جب سرزمین ہند پر جلوہ فگن ہوا تو یہاں کے مسلمانوں نے اسلامی علوم وفنون کی طرف توجہ کی اور اپنی تصنیفات وتحقیقات کے ذریعہ سے اسلامی کتب خانہ کو ایسا مالا مال کیا کہ اسکی نظیر دوسری زبانوں کی حامل اقوام میں ملنی مشکل ہے۔ عرب علماء نے علم حدیث وفقہ میں علمائے ہند کی کاوشوں کا اعتراف کیا ہے اور ان کی تالیفات وتحقیقات سے استفادہ بھی۔

ہندوستان میں بہت سے ایسے محدثین عظام اور فقہاء روزگار پیدا ہوئے جنہوں نے علوم شرعیہ کے ساتھ علوم عصریہ کی طرف بھی غیر معمولی توجہ کی۔ عربی زبان وادب کو مستقل موضوع کی حیثیت سے اپنی توجہ کا مرکز بنایا، چنانچہ ان میں لغت داں، انشاء پرداز، شارحین، مترجمین، اور محشی منصۂ شہود پر آئے، جن کی علمیت وقابلیت کا سکہ ممالک عربیہ پر بیٹھا اور وہ مستند مانے گئے، یہ سلسلہ منقطع نہیں ہوا، بلکہ عصر حاضر تک جاری ہے، مجلّہ ''المنار'' (مصر) کے چیف ایڈیٹر علامہ رشید رضا مصری نے ''مفتاح کنوز السنۃ'' کے مقدمہ میں علم حدیث کے میدان میں ہندوستانی علماء کی علمی کاوشوں کا اعتراف ان لفظوں میں کیا ہے:

''اگر ہندوستانی علماء اس زمانہ میں علم حدیث کی طرف توجہ نہ کرتے تو یہ فن مشرقی دنیا سے رخصت ہو جاتا، کیونکہ مصر وشام اور عراق وحجاز میں دسویں صدی ہجری ہی سے اس علم حدیث میں زوال شروع ہو گیا تھا''۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ اپنی کتاب ''ہندوستانی مسلمان: ایک تاریخی جائزہ'' (ص: ۳۵-۳۷) میں علماء ہند کے علوم اسلامیہ اور عربی زبان وادب کے میدان میں کارناموں کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''علوم اسلامیہ میں ہندوستانی مسلمانوں کی تصانیف بے شمار ہیں، ابن ندیم کی الفہرست اور ''کشف الظنون'' مصنفہ حاجی خلیفہ جیسی عمومی کتاب بھی (جس کا تعلق پورے عالم اسلام سے ہے) ہندوستانی علماء کی تصانیف کے تذکرہ سے خالی نہیں ، مولانا عبدالحی حسنیؒ (م ۱۳۴۱ھ) کی عربی کتاب ''الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند'' (اسلامی ثقافت ہندوستان میں) کے سرسری جائزہ سے ہندوستان کے علمی مقام اور ہندوستانی علماء ومحققین کی تصنیفی سرگرمیوں کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔

میں اس وقت ان عظیم تصانیف کا تذکرہ کروں گا، جن کی شہرت ہندوستان کے حدود سے متجاوز ہوکر دنیا کے دوسرے ملکوں میں پہونچ چکی ہے اور علماء عرب نے بھی انہیں قدر وعظمت کی نگاہوں سے دیکھا ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے ساتویں صدی ہجری (تیرہویں صدی عیسوی) کے مشہور مصنف امام لغت وحدیث حسن بن محمد الصغانی لاہوری کی کتاب ''العُباب الزاخر'' کا تذکرہ مناسب ہوگا، یہ کتاب عربی زبان کے مستند اور بیش قیمت ماخذوں میں شمار ہوتی ہے، علماء لغت نے ہر دور میں اس سے استفادہ کیا اور اس کے مصنف کی قابلیت، وقت نظر اور بالغ نظری کی تعریف کی، علامہ سیوطی نے امام موصوف کے بارے میں لکھا ہے کہ ''وہ فن لغت کے امام تھے'' امام ذہبی انہیں ''علم لغت کا مرجع ومنتہی قرار دیتے ہیں، دمیاطی کے نزدیک ''وہ لغت، حدیث اور فقہ کے امام تھے''۔

لغت کی مشہور کتابوں میں ''مجمع بحار الانوار فی غرائب التنزیل ولطائف الاخبار'' مؤلفہ علامہ محمد طاہر پٹنی (م ۹۸۶ھ) اور ''تاج العروس فی شرح القاموس'' مرتبہ علامہ مرتضی زبیدی (م ۱۲۰۵ھ) ہیں۔

ہندوستانی علماء نے عربی زبان وادب پر مختلف انداز سے اپنی توجہ مرکوز کی، قرآن کریم اور حدیث نبوی کے حوالے سے اس کی لغات لکھیں اور قرآن کریم اور حدیث نبوی کے فنی اور بلاغتی پہلوؤں کو بھی اجاگر کیا۔ عربی، فارسی اور اردو زبان میں یہ سرمایہ آج بھی موجود ہے، موجودہ دور میں یہ رجحان مزید پروان چڑھا، چنانچہ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے ''لغات جدیدہ'' کے نام سے اور مولانا عبدالحفیظ بلیاویؒ نے ''المنجد'' کو اردو قالب میں ''مصباح اللغات'' کے نام سے پیش کیا، مولانا وحید الزماں کیرانوی کی بھی متعدد لغات ہیں جو مدارس اسلامیہ کے طلباء میں رائج ہیں۔

یہ تمام کوششیں یا تو عربی اور اردو میں تھیں یا عربی اور فارسی میں تھیں، لیکن سہ لسانی نہیں تھیں، الحمد للہ یہ کوشش مولانا حکیم عزیز الرحمٰن اعظمیؒ کے ذریعہ منظر عام پر آئی، انہوں نے منیر بعلبکی کی کتاب ''المورد'' کو اردو قالب میں ڈھالا، یہ کتاب انگریزی اور عربی میں پہلے سے موجود تھی اور انگریزی اور عربی داں افراد کیلئے خاص تھی، حکیم عزیز الرحمٰن صاحب نے اس کے دائرہ کو وسیع کیا اور اسکو سہ لسانی لغت بنادیا، بیک وقت یہ لغت انگریزی، عربی، اردو پر مشتمل ہے، اگرچہ بعض محققین نے سہ لسانی لغت تیار کی، لیکن وہ خاص موضوعات سے متعلق تھیں اور عمومی لغت کا درجہ نہیں رکھتی تھیں۔

ایک لفظ کو دوسری زبان میں منتقل کرنا بڑا دشوار گزار عمل ہے، اس کام کی دشواری کا صحیح اندازہ اس کو ہے جو اصل اور ترجمہ کے درمیان موازنہ کرے گا اور اس کو دو زبانی لغت کی واقفیت ہوگی، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک لفظ ترجمہ کے بعد اپنے صحیح مفہوم کو ادا نہیں کرتا ہے تو اس کی وضاحت کیلئے کئی کلمات استعمال کئے جاتے ہیں، جب دو زبانوں میں ترجمہ اس قدر مشکل اور دشوار ہے تو تین زبانوں میں یہ عمل کس قدر دشوار ہوگا، مولانا عبدالحفیظ بلیاویؒ نے ''مصباح اللغات'' کے مقدمہ میں تحریر فرمایا ہے کہ کسی ایک زبان کو دوسری زبان میں منتقل کرنا جتنا دشوار کام ہے اس سے کچھ وہی حضرات واقف ہیں جن کو اس کام سے سابقہ پڑا ہو، اس کو وہی شخص کرسکتا ہے جو دونوں زبانوں کا ماہر اور دونوں کے ادب پر پوری طرح حاوی ہو۔

مولانا حکیم عزیز الرحمٰن کی سہ لسانی لغت ''سنگم'' کے مطالعہ سے اس کام کی نزاکت اور اس کی صعوبت کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے، اس سے حکیم صاحب کی تینوں زبانوں پر پوری قدرت کا پتہ چلتا ہے، انہوں نے اس کوشش کے ذریعہ عربی بولنے والے یا انگریزی زبان میں باتیں کرنے والے افراد کیلئے اردو زبان کو سہل بنا کر پیش کیا ہے، اس طرح اس کا دائرہ وسیع ہوگیا ہے۔

جہاں تک ان کی دوسری تصنیفات کا تعلق ہے تو انہوں نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (۸۰-۱۵۰ھ) کے متعلق ایک مبسوط کتاب ''مآثر امام اعظم'' کے نام سے بڑی محنت وجانفشانی سے تصنیف کی، اور لغت جیسے خشک موضوع سے اشتغال کے ساتھ ساتھ انہوں نے متعدد عربی فارسی کتابوں کا ترجمہ بھی کیا جن میں صحیح مسلم کا ترجمہ اور کتاب الرحمۃ اور خاتم النبیین مؤلفہ شیخ ابوزہرہ کا ترجمہ قابل ذکر ہے، ایک طبی لغت بھی تیار کی جو ۱۵۴۸ صفحات اور ۴۳۲۰ الفاظ پر مشتمل ہے، اور اس کا انتساب اپنے شیخ ومرشد حضرت شاہ وصی اللہ فتحپوری صاحب کی طرف کرتے ہوئے انہی کے نام سے معنون کیا، اور اس کا نام ''وصی میڈیکل ڈکشنری'' رکھا، انہوں نے علوم دینیہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ طب یونانی کی تعلیم حاصل کی اور طب سے متعلق کئی اہم کتابیں تصنیف کیں۔

حکیم عزیز الرحمٰن صاحب کے تصنیفی وعلمی مشاغل اور کارناموں میں زیادہ نمایاں اور اہمیت کا کام ان کی لغت نویسی کہا جائے گا، اس لئے راقم الحروف نے اس کا خصوصی تعارف کرانا مناسب سمجھا، لیکن اس کے ساتھ چند باتیں ان کی شخصیت کے تعارف کے لئے اس موقع پر پیش کی جارہی ہیں، جو راقم کے مشاہدہ میں آئیں، اور دوسرے معتبر ذرائع سے ان کی خصوصیات کا علم ہوا۔

حکیم صاحب بڑے عزم وہمت کے مالک تھے، پیرانہ سالی، امراض واعذار ان سب کے ساتھ وہ تصنیف وتالیف اور تحقیق کے کام میں پوری توجہ سے کام لیتے اور آخر وقت تک وہ اس میں مشغول رہے، وہ سفر بھی کرتے، دارالعلوم ندوۃ العلماء ان کی تشریف آوری ہوتی، یا ہم لوگوں کا اعظم گڈھ جانا ہوتا تو استفادہ کا موقع ملتا اور ان کی شفقتیں حاصل ہوتیں، وہ بڑے بھائی کا معاملہ کرتے، جس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ ان کے چھوٹے بھائی ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء کا راقم الحروف کا بعض سفروں اور بہت سے تعلیمی اور

انتظامی کاموں میں ساتھ رہا۔

حکیم صاحب کو خال معظم مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی گہرا تعلق اور محبت وعقیدت تھی، انہوں نے اپنی بعض کتابوں پر ان سے مقدمے لکھوائے، اسی طرح ان کے دل میں امیر المؤمنین حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی بڑی عظمت تھی، اور وہ ان کی اور ان کے رفقاء اور جماعت کی قربانیوں کے بڑے قدرداں اور معترف تھے اور ہندوستان میں نشأۃ ثانیہ میں ان قربانیوں کا بڑا حصہ سمجھتے تھے، چونکہ مئو اور اعظم گڈھ کے اطراف میں ہمارے خاندانی بزرگ حضرت سید محمد امین نصیر آبادی کے دعوتی اور اصلاحی دورے ہوا کرتے تھے، اس لئے حکیم صاحب کو ان سے بھی عقیدت تھی اور اس محبت وتعلق کا اظہار ہم چھوٹوں پر شفقت کے طریقوں سے بھی ہوتا۔

حکیم صاحب کا ارادت واسترشاد کا تعلق تو مصلح امت شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوری رحمۃ اللہ علیہ سے تھا اور یہ تعلق جانبین سے تھا کہ حضرت شاہ وصی اللہ صاحب بھی بڑا خیال فرماتے تھے اور ان پر اعتماد کرتے تھے، حکیم صاحب نے اپنی زندگی کے معاملات کی ڈور انہی کے ہاتھ میں دے رکھی تھی اور ایسا تعلق قائم کرلیا تھا کہ وہ شاہ صاحب کے منشا اور انشراح کو دیکھتے، اور ان کے مزاج اور افتادِ طبع کا خیال کر کے کوئی قدم اٹھاتے۔

چنانچہ طب، علاج ومعالجہ، تعلیم وتصنیف، سب کاموں میں وہ اپنے مرشد کے اشاروں کو دیکھتے اور انہی کے ایماء پر انہوں نے دیوبند میں قیام اور وطن میں رہکر خدمت دین کا کام انجام دیا، ان کی طبیعت میں اصلاح وتقوی کا مادہ تھا، اس نے ان کے کاموں میں نورانیت پیدا کی اور ان کی زندگی کو پرکشش وجاذب نظر بنادیا تھا، اللہ تعالی ان کی خدمت کو قبول فرمائے اور ان کے رفع درجات کا ذریعہ بنائے۔

حکیم صاحب کی شخصیت اور کارناموں کو سمجھنے کے لئے ان پر لکھے گئے مضامین ومقالات اور ان کی تصنیفات کا مطالعہ ضروری ہے، اور اس ضرورت کو کسی حد تک یہ کوشش (تذکرہ مولانا حکیم عزیز الرحمٰن اعظمی) بھی پورا کرے گی، جو ان کے عزیز ترین بھائی مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء ان کے متعلق مضامین اور مقالات ترتیب دیکر انجام دے رہے ہیں۔ اللہ تعالی اس کوشش کو قبول فرمائے۔ (آمین)۔

''سنگم'' ایک مطالعہ

از: مولانا حکیم عزیز الرحمٰن اعظمی

حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی
(سابق معتمد تعلیم ندوۃ العلماء)

''سنگم'' ایک ضخیم لغت ہے، تین زبانوں پر مشتمل ہے، عربی، انگریزی اور اردو، مفرد الفاظ سے زیادہ محاورات وامثال ہیں، اس لغت کے مصنف حکیم عزیز الرحمٰن صاحب نے اس سے پہلے انگریزی میڈیسن کے الفاظ اور ان کے مقابل طب عربی کی اصطلاحات کو جمع فرمایا ہے جو ۱۵۳۳ صفحات پر مشتمل ہے، اور خاص اطباء اور ماہرین معالجات کے کام کی چیز ہے، ان دونوں خدمات کو یکجا دیکھا جائے تو اپنے علماء کی قدر ومنزلت کا اندازہ ہوتا ہے، محدث جلیل علامہ عبدالفتاح ابوغدہؒ نے ایک کتاب لکھی ہے جسکا عنوان ہے: ''قیمۃ الزمن عندالعلماء'' اس میں دکھایا گیا ہے کہ علماء سلف میں ایسے ایسے افراد گزرے ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کا کوئی وقت ضائع نہیں کیا، بلکہ منٹوں اور سکنڈوں کو ایسی دولت سمجھتے رہے جو ایک مرتبہ ہاتھ سے نکل گئی تو پھر واپس نہیں آسکتی۔ حکیم اعظمی کے کارناموں کو دیکھ کر یقین ہوتا ہے کہ اگر شیخ ابوغدہؒ ان کو دیکھتے یا ان کے کام سے واقف ہوتے تو ان کو بھی انہی علماء کی صف میں شمار کرتے جنہوں نے اپنے وقت کی قیمت پہچانی اور زندگی کا ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا۔ حکیم صاحب قبلہ نے اتنے بڑے بڑے کام کئے ہیں کہ ان کو متقدمین سلف کی صف میں شمار کیا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ لغت نویسی کا کام بہت مشقت کا کام ہے یہ ترجمہ کا کام نہیں ہے کہ بڑی سے بڑی مقدس

کتابوں کے چند ترجموں کو سامنے رکھ کر ایک نیا ترجمہ لکھ ڈالا، لغت نویسی میں ایک ایک لفظ کو تولنا پڑتا ہے، اسکی تاثیر کا صحیح جائزہ لینا پڑتا ہے، وہ بھی ایک زبان میں نہیں، بلکہ تین تین زبانوں میں ،ایک زبان کے محاورہ کو دوسری زبان کے ایسے محاورے سے تلاش کرنا کہ ٹھیک وہی مفہوم رہے، بڑی وسعت نظری کا طالب ہے، اور بغیر مغز پاشی کے دستیاب نہیں ہوسکتا۔

عربی کی سب سے بڑی لغت ابن منظور کی ''لسان العرب'' ہے، انگریزی میں عربی الفاظ کی ایک لغت ہے جو Lane نے جمع کی ہے، اردو میں ''نور اللغات'' بھی علمی لحاظ سے اور وسعت نظر کے لحاظ سے عظیم کام ہے مگر کیا لغت کی ان تینوں کتابوں کو سامنے رکھ کر انگریزی، اردو، عربی کی سہ لسانی لغت تیار ہوسکتی ہے؟ مجھے اس میں شک ہے، لغت نویسی کا کام ترجمہ نویسی سے کہیں زیادہ ادق اور دشوار ہے، اہل علم کو اور خاص طور پر جن کو تحقیق و جستجو کے بعد اس طرح کے کاموں کی توفیق ملے، حکیم صاحب قبلہ کو خراج عقیدت پیش کریں گے۔

مجھے اپنی بدبینی سے شکوہ ہے یا ایک ایسے عظیم کام کرنے والے مصنف سے شکوہ ہے کہ انہوں نے اپنی وسیع علمی کاوش کے نام کیلئے ہندی کا ایک لفظ منتخب کیا ''سنگم'' جو اشعار کے مجموعہ کا نام بھی ہوسکتا ہے، ناول یا قصے، کہانی، افسانے کا نام بھی ہوسکتا ہے، حکیم صاحب نے جو کام کیا ہے اس کے لئے کوئی علمی انداز کا وزنی نام ہونا چاہئے تھا، فیروز آبادی نے اپنی لغت کا نام ''القاموس'' رکھا، کسی نے ''البحر المحیط'' رکھا، قاموس کا لفظ عربی زبان کا لفظ نہیں ہے ،جب اعتراض کیا گیا تو مصنف نے کہا یہ اسم ہے اہم نہیں ہے، میں اپنے کام کی عظمت ظاہر کرنے کیلئے کوئی مفرد لفظ نہ حاصل کرسکا تو ایک لفظ تصنیف کرلیا، اور وہ لفظ عربی میں زبردستی داخل کردیا، حضرت حکیم عزیز الرحمٰن صاحب اگر کوئی ایسا لفظ انتخاب فرماتے جسکو عربی میں معجم کہتے ہیں حق بجانب ہوتے۔ اگر میں مشورہ دینے کا اہل سمجھا جاتا تو اس کا نام رکھتا "ملتقی أبحر الألسنة" یا " القاموس "یا صرف "ملتقی الأبحار" اس بے ادبی کے لئے بہر حال معذرت خواہ ہوں۔ (تبصرہ بر کتاب ''سنگم'' مطبوعہ تعمیر حیات ۲۵ر مارچ ۲۰۰۵)

بھائی صاحب کا سانحۂ وفات

ڈاکٹر مسیح الرحمٰن اعظمی
پروفیسر انٹیگرل یونیورسٹی، لکھنؤ

بات ۱۹۴۹ء کی ہے۔ میں مدرسہ سے تیسری جماعت پاس کر چکا تھا۔ حضرت والد صاحبؒ اور حضرت بھائی صاحبؒ کا خیال ہوا کہ مجھے انگریزی پڑھنے کیلئے اسکول میں داخل کرایا جائے اور ہائی اسکول پاس کرنے کے بعد اپنی تعلیم کیلئے پھر مدرسہ میں داخل کرایا جائے گا۔ اس وقت بھائی صاحبؒ ڈی اے وی انٹر کالج میں اردو و فارسی زبان کے ٹیچر تھے، لہٰذا میرا داخلہ درجہ ششم میں کرایا گیا۔ اس وقت تک میں ہندی اور انگریزی زبان سے بالکل ناواقف تھا۔ حضرت بھائی صاحبؒ نے میری رہنمائی کی اور میں چھٹی کلاس پاس کر کے ساتویں کلاس میں پہنچ گیا۔ میں نے ۱۹۵۴ء میں منشی کے مضامین کیساتھ ہائی اسکول پاس کرلیا۔ گھر کے لوگوں کا خیال ہوا کہ مزید تعلیم سائنس کی پوری کی جائے۔ لہٰذا بھائی صاحب ۴؍جولائی ۱۹۵۴ء میں داخلہ کیلئے لکھنؤ لیکر آ گئے، اس لئے کہ اس وقت مئو کے کسی اسکول میں انٹر میں سائنس کے مضامین نہیں پڑھائے جاتے تھے۔ میرا داخلہ ایک انٹر کالج میں انہوں نے کرایا۔ میں بھائی صاحبؒ کی نگرانی میں ہی اپنی تعلیم کے سلسلہ میں آگے بڑھتا رہا، لکھنؤ میں ہمارے منجھلے بھائی حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مدظلہ ندوہ میں تدریسی خدمت انجام دے رہے تھے۔ لہٰذا انکی نگرانی میں لکھنؤ میں رہا اور انٹر کا امتحان ۱۹۵۶ء میں پاس کیا۔ بھائی صاحبؒ کی رائے اور حضرت والا صاحب کے حکم سے مجھے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں بی ایس سی میں داخل کرایا گیا۔ چونکہ بھائی صاحبؒ انتہائی ذہین اور دوربیں تھے، لہٰذا وہ میری پوری تعلیم کیلئے فکرمند رہے، یہاں تک کہ میں نے ۱۹۶۱ء میں مسلم

یونیورسٹی سے کیمیاء میں ایم ایس سی کرلیا۔ اس وقت سائنس کے اساتذہ بہت کم رہتے تھے۔ لہٰذا مجھے فوراً ہی ملازمت مل گئی اور میں نے ایک سال پیلی بھیت میں اور دوسرے سال ڈی اے وی کالج مئو میں لیکچرر کی حیثیت سے کام کیا۔ اور ۱۹۶۳ء میں ملک کے مشہور شبلی نیشنل کالج اعظم گڑھ میں لیکچرر کی حیثیت سے میرا تقرر ہوگیا۔ حضرت بھائیؒ کی رہنمائی میں میں ہر جگہ کام کرتا اور ہر قدم پر ان سے مشورہ کرتا رہتا تھا۔ یوں تو ہمارے خاندان میں ماشاء اللہ سبھی حضرات انتہائی ذہین اور ذی علم تھے۔ مگر بھائی صاحبؒ جیسے ذہین انسان مجھے بہت کم ملے۔ وہ انتہائی بیباک اور بے خوف انسان تھے۔ اپنی باتیں دوسروں سے بلاخوف وخطر کہہ دیتے تھے۔ علم سے اتنا شغف کم لوگوں میں دیکھا گیا، کتنے لوگوں کو ترغیب دیکر ایم اے اور پی ایچ ڈی کرادی۔ دیوبند کے قیام کے دوران اساتذہ اور طلباء ان سے استفادہ کرتے تھے۔ طب کے بہترین اساتذہ میں شمار کئے جاتے تھے۔ میں ۱۹۸۶ء میں جب ملازمت کے سلسلہ میں لیبیا چلا گیا تو اپنے مشورے سے مجھے نوازتے رہتے تھے اور وہیں مجھے انہوں نے اطلاع دی کہ دیوبند کے طبیہ کالج سے ریٹائر ہوگئے ہیں۔ اس کے بعد یکسوئی کیساتھ مطالعہ اور کتابیں لکھنے میں مشغول ہوگئے اور ایسے علمی کام انجام دئے جو ایک اکیڈمی بھی نہیں کرا سکتی تھی، ذہانت کا عالم یہ تھا کہ طب سے لیکر فارسی، عربی اور اردو ادبیات سب پر پوری مہارت رکھتے تھے اور تینوں زبان میں شاعری بھی کرتے تھے۔ جو کتابیں لکھیں اور جو ترجمے کئے، اسکی تفصیل اور حضرات کے مضامین میں مل جائیں گی، جب میرا اعظم گڑھ یا لکھنؤ سے مئو جانا ہوتا تو انتہائی خوشی کا اظہار فرماتے ان کا وجود ہمارے لئے بڑا ہی قیمتی تھا جسکی تلافی نہیں ہوسکتی۔ بھائی صاحبؒ کے بارے میں جتنا بھی لکھا جائے کم ہے۔ اگست کے مہینہ میں یہ خبر ملی کہ زینہ سے اترتے وقت پھسل گئے اور ان کی ران کی ہڈی میں بال آگیا ہے۔ میں ان سے ملنے کیلئے اگست ہی میں حاضر ہوا تو انکو ایسے حال میں پایا کہ کوئی تشویش کی بات نہیں تھی۔ ہم نے سوچا تھا کہ عید کے موقع پر گھر جائیں گے اور ملاقات ہوگی۔ مگر افسوس کہ ۱۹ر رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ مطابق ۱۰ر ستمبر ۲۰۰۹ء کو صبح ساڑھے نو بجے ہمارے بڑے لڑکے قاری وصی الرحمٰن اعظمی کا فون آیا کہ بڑے ابی (بھائی صاحبؒ) کا انتقال پر ملال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ

راجعون یہ خبر سنکر ہم سکتے میں آگئے۔فوراً چھوٹے بیٹے انجینئر سیف الرحمٰن کوفون کر کے اس حادثہ کی اطلاع دی۔ وہ انگیگرل یونیورسٹی میں الیکٹرانکس ڈیپارٹمنٹ میں اسسٹنٹ پروفیسر ہیں۔ میں نے فوراً حضرت برادر محترم مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی کے صاحبزادہ مولوی عطاء الرحمٰن اعظمی ندوی کو اطلاع دی اور پھر بذریعہ کار ۱۲ بجے کے قریب مئو کے لئے روانہ ہوگئے ،حضرت مولانا مدظلہ اس وقت دبئی میں تھے، چنانچہ ہم لوگ لکھنؤ سے مئو افطار کے بعد پہونچ گئے، جہاں سب لوگ سوگوار تھے۔ تھوڑی دیر بعد حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ (ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ) کے ایماء پر بہت سے علماء بالخصوص مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی، مولانا عبدالعزیز ندوی بھٹکلی، مولانا محمود حسن حسنی ندوی، جناب شاہد حسین صاحب، اور بھائی ساجد حسین ومشہود الحسن وغیرہ حضرات رائے بریلی ولکھنؤ سے مئو آگئے۔ بعد نماز تراویح مدرسہ مفتاح العلوم کے میدان میں نماز جنازہ حضرت مولانا نعمت اللہ اعظمی استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند کی اقتدا میں ادا کی گئی۔ اور دوسرے دن طیب سلمہ بھی دبئی سے آگئے، ان سے ملکر ہم لوگ ۲۲ رمضان کی صبح مئو سے رخصت ہوکر لکھنؤ واپس آگئے، آج بھی ہم لوگوں کو بھائی حکیم صاحب کی یاد آتی رہتی ہے اور اپنے انتہائی ذہین عالم باعمل، پاکباز، باپ جیسی محبت اور سرپرستی کرنے والے بھائی کو یاد کر کے شدید تنہائی کا احساس ہوتا ہے۔ اللہ انکی قبر کو نور سے بھر دے۔ آمین۔

ایک مخلص اور کرم فرما دوست

الحاج حضرت مولانا صفی اللہ قاسمی دیوریاوی

(ناظم مدرسہ مدینۃ العلوم، دیوریا)

مولانا حکیم عزیز الرحمٰن صاحب اعظمی ۱۹۳۴ء سے مفتاح العلوم مئو میں ہم سبق تھے۔ حضرت مولانا محمد ایوب صاحبؒ اس وقت مفتاح العلوم کے ناظم تھے۔ مولانا عزیز الرحمٰن سے کافی قرابت تھی اور مولانا ایوب صاحب ہم کو بہت مانتے تھے، اس وجہ سے گھر بھی آنا جانا رہتا تھا۔ مولانا ایوب صاحب گھر پر کوئی سامان میرے ذریعہ ہی اکثر بھیجتے تھے۔ اُس وقت مولانا سعید الرحمٰن صاحب بہت چھوٹے تھے۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ مشکوٰۃ شریف ہم لوگوں کو پڑھاتے تھے، مغرب بعد تھوڑی دیر مدرسہ کی مسجد میں آرام فرماتے تھے اور ہم دونوں انکی خدمت کرتے، ایک دن جمعرات کو ہم لوگوں نے پوچھا: حضرت! آپ کو کتنے اشعار یاد ہیں؟ حضرت نے فرمایا: بہت زیادہ یاد ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ وہ سب بھول جائیں تاکہ اسکے بدلے میں دوسرا کچھ یاد کرتے۔

جامعہ مفتاح العلوم مئو کے اساتذہ میں مولانا عبداللطیف نعمانی، مولانا شمس الدین صاحب، مولانا یحییٰ صاحب، اور دارالعلوم دیوبند میں ہم لوگوں نے جن اساتذہ سے تعلیم حاصل کی ان میں مولانا ابراہیم بلیاوی، مولانا عبدالسمیع صاحب، مولانا اعزاز علی صاحب اور حکیم الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی صاحب قابل ذکر ہیں۔ مرحوم حکیم عزیز الرحمٰن صاحب کے رفقاء میں عبدالحکیم مئوی اور عبدالمجید ادروی اور غلام رسول مئوی خاص طور پر تھے۔ حکیم صاحب کی سب سے نمایاں خصوصیت ان کا تقوی، پرہیز گاری اور دینداری

ہے، وہ بڑے خوش خلق اور خوش مزاج تھے، انانیت اور ضد سے کوسوں دور تھے۔ اللہ تعالیٰ نے طالب علمی ہی کے زمانہ سے ان کے اندر متنوع اچھے کمالات کوٹ کوٹ کر رکھے تھے۔

حکیم عزیز الرحمٰن صاحب مئو سے دارالعلوم دیوبند تک ساتھ ساتھ رہے۔ دارالعلوم کے دوران قیام ایک مرتبہ ہم لوگوں نے تھانہ بھون کے سفر کا ارادہ کیا، چنانچہ ہم اور مولانا عزیز الرحمٰن ومجیب الرحمٰن مئو والے، مولوی عبدالمجید ادری والے، مولوی الطاف حسین مدنپور والے تھانہ بھون کیلئے دارالعلوم سے پیدل روانہ ہوگئے۔ راستہ میں ایک بہت بڑا بالو کا میدان پڑا۔ جسے دیوبند والے ''میدان تیہ'' کہتے تھے، جس میں نہ راستہ معلوم ہوتا تھا۔ نہ کہیں درخت کا پتہ، نہ کہیں کوئی آدمی دکھائی دیتا، چلتے چلتے کئی گھنٹوں کے بعد چند کسان نظر آئے، ان سے راستہ دریافت کرکے کافی مشقت کے بعد تھانہ بھون پہونچے۔ مسجد کے ملا نے وہاں کے تمام آداب بتائے، پانچ وقت کی نمازیں ہم لوگوں نے حضرت تھانویؒ کے پیچھے پڑھیں۔ فجر کے بعد حضرت تھانویؒ مسجد کے برآمدہ میں بیٹھتے تھے۔ لوگ طرح طرح کی باتیں ان سے دریافت کرتے تھے۔ ہم لوگوں نے بھی بتایا کہ ہم لوگ دارالعلوم کے طالب علم ہیں، یہ ۴۷ سال پہلے کی بات ہے۔

ایک بار کا واقعہ ہے وائسرائے نے نواب حیدرآباد پر دباؤ ڈالا کہ حسین احمد مدنی کو کسی طریقہ سے دارالعلوم دیوبند سے الگ کردیا جائے۔ کیونکہ وہ انگریزی حکومت کی مذمت کرتے تھے، چنانچہ نواب حیدرآباد نے دارالعلوم پر دباؤ ڈالا کہ حسین احمد مدنی کو دارالعلوم سے الگ کردیجئے، نہیں تو ہم دارالعلوم دیوبند کو دی جانے والی امداد بند کردیں گے۔ دارالعلوم کی کمیٹی نے جواب دیا کہ آپ اپنی امداد بند کردیجئے، ہم ان کو الگ نہیں کرسکتے۔ یہ واقعہ بھی ہمارے اور حکیم صاحب کے دارالعلوم میں قیام کے دوران پیش آیا۔ واقعات تو بہت ہیں، نہ اس وقت اسکا موقع ہے اور نہ اس مجموعہ میں اس کی گنجائش۔

ع سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لئے

اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

جناب مولانا بدرالحسن قاسمی
(وزارۃ الاوقاف، کویت)

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے عہد زریں میں دارالعلوم دیوبند کے ماتحت جامعہ طبیہ بھی قائم تھا، جہاں سے سینکڑوں علماء، حکیم وطبیب اور بعد میں بی یو ایم ایس کا کورس کر کے ڈاکٹر پیدا ہوئے جو انقلاب کے ساتھ بے نشان ہو گیا۔

ع کریدتے ہو جو اب راکھ جستجو کیا ہے؟

حضرت حکیم عزیز الرحمٰن صاحبؒ کے تعارف کے لئے یہی کافی ہے کہ ان کے والد حضرت مولانا محمد ایوب اعظمیؒ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے شیخ الحدیث رہے ہیں، جبکہ انکے چھوٹے بھائی مولانا سعید الاعظمی عربی ماہنامہ البعث الاسلامی کے چیف ایڈیٹر اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم اور مایہ ناز استاذ ہیں۔

حکیم صاحب اسی خانوادہ کے فرد، ایک اچھے عالم، ماہر استاذ، نامور حکیم، بہترین مصنف اور اچھے شاعر وادیب سب کچھ تھے، اور ساتھ ہی الٰہ آباد کی خانقاہ شاہ وصی اللہؒ کے فیض یافتہ معمولات کے پابند صوفی اور بزرگ بھی تھے۔

سن وسال کے فرق اور عمر میں غیر معمولی تفاوت کے باوجود حکیم صاحبؒ کے ساتھ برسہابرس تک میرا تعلق انتہائی بے تکلفی کا رہا ہے اور انکی مشفقانہ ادائیں اس طرح کی تھیں کہ بے تکلف مجلسوں میں اس کا احساس ہی نہ ہو پاتا تھا کہ وہ بڑے ہیں ہم چھوٹے، وہ بزرگ ہیں اور ہم ناپختہ کار۔

بعض احباب از راہ مذاق انکو "حکیم لدنی" بھی کہا کرتے تھے، لیکن ان پر یہ لقب اس اعتبار سے بیحد چسپاں تھا کہ علم طب سے انکی واقفیت تمامتر سماوی فیض اور کراماتی انداز کی تھی۔ انہوں نے اس فن کو باقاعدہ پڑھا نہیں تھا، لیکن انہوں نے سالہا سال تک بڑے بڑے اطباء وحکماء کی موجودگی اور منافست اور مقابلہ آرائی کے ماحول میں اس فن کی نہ صرف اہم ترین کتابیں پڑھائی ہیں، بلکہ متعدد تصنیفیں بھی یادگار چھوڑی ہیں۔

وہ خود اپنے اس کمال کو قدرت کا عطیہ اور اپنے پیرومرشد حضرت مولانا شاہ وصی اللہ الہ آبادی کی توجہ کا نتیجہ اور کرامت شمار کرتے تھے۔

انہوں نے بارہا اپنی یہ داستان سنائی کہ الہ آباد خانقاہ میں رہنے کے دوران حضرت شاہ وصی اللہ صاحب مرحوم نے ان سے ایک دن اچانک یہ فرمایا کہ تم طب کی کتابیں دیکھا کرو، اس عجیب وغریب ہدایت پر انہیں خود بیحد حیرت ہوئی اور ایک لحہ کیلئے خود شاہ صاحبؒ کے بارے میں طرح طرح کے وسوسے انکے ذہن میں آنے لگے۔

لیکن "قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید" کسے خبر تھی کہ شاہ صاحبؒ کی ہدایت کے کچھ ہی عرصہ بعد جامعہ طبیہ دارالعلوم دیوبند کیلئے ایک استاذ کی جستجو ہوگی اور قرعہ فال حکیم صاحبؒ کے نام نکلے گا؟ حکیم صاحب کو اس وقت شاہ صاحبؒ کی بصیرت اور کرامت کا یقین آیا اور پھر ساری زندگی انہوں نے شاہ صاحبؒ کو کبھی فراموش نہیں کیا اور ہر نشست وبرخاست میں ان سے اپنی والہانہ عقیدت کا اظہار کرتے رہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے طریقہ اصلاح، انکی مجذوبانہ شان، انکی کرامتوں، انکی غیر معمولی بصیرت اور انکی عالمانہ عظمت کا ذکر تقریباً ہر دن ہی بڑی عقیدت سے کرتے تھے۔

انکے ایسے واقعات بھی سناتے جسکی زد خود ان پر پڑتی تھی، اس سلسلہ کا انہوں نے یہ واقعہ بھی بارہا سنایا کہ اپنی زبان کی تیزی اور تنقید کی بے احتیاطی میں کوئی جملہ انہوں نے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمیؒ کے بارے میں کہہ دیا تو شاہ صاحب اس پر سخت ناراض ہوئے اور ان کے پاس جاکر معافی مانگنے کا حکم فرمایا کہ تمہاری بات سے ایک عالم کی شان میں بے

ادبی ہوئی ہے، لہٰذا وطن جا کر ان سے معافی مانگو پھر ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ فلاں آدمی کو اپنے ساتھ لے لو کیونکہ ہوسکتا ہے کہ تم صراحت کے ساتھ معافی مانگنے کے بجائے اپنی ذہانت کی وجہ سے اپنج پیچ سے کام لو، اور معافی مانگنے کا جو مقصد ہے وہ پورا نہ ہو۔ اس واقعہ سے حضرت شاہ صاحبؒ کی مربیانہ شان بھی ظاہر ہوتی ہے۔

حکیم صاحبؒ غیر معمولی ذہانت، طبیعت کی بے باکی اور حاضر جوابی کی وجہ سے بآسانی کسی کے قابو میں آنے والے نہ تھے۔ بڑے بڑوں کو بھی خاطر میں نہ لانے کا مزاج رکھتے تھے، لیکن یہ محض حضرت شاہ وصی اللہ الہ آبادیؒ کی شان اصلاح اور پُر تاثیر صحبت تھی جس نے حکیم صاحبؒ کے ہاتھوں سے جنت کو جانے نہ دیا اور وہ اپنی بے باکی کے باوجود خانقاہی اصولوں پر چلنے میں کامیاب رہے۔

ہماری نظر میں حضرت شاہ صاحبؒ کے طب والی کرامت کے مقابلہ میں یہ کرامت کسی طرح کم نہ تھی کہ حکیم عزیز الرحمٰن صاحب جیسا آزاد طبع کا پیکر، شب و روز خانقاہی معمولات کا پابند رہا، حقیقت یہ ہے کہ ہوا میں اڑنے اور اڑانے کے مقابلہ میں انسان بنانے کی کرامت کہیں زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔

پنجوقتہ نمازی نہیں تہجد کا دائمی معمول، نفلی روزوں کا اہتمام، اور دیگر صباحی مسائی اوراد و اذکار کی ہر حال میں پابندی کی امید ایک ایسے شخص سے کب کی جاسکتی ہے جو شاعرانہ ذوق، آزادانہ مزاج رکھنے والا اور شب و روز نقد و تبصرہ کا خوگر ہو، حکیم صاحبؒ کی زندگی میں وارستہ مزاجی کے ساتھ معمولات کی پابندی کو دیکھ کر حضرت شاہ وصی اللہ الہ آبادی کے فیضان نظر کی تاثیر پر ہمارا اعتقاد اور بڑھ جاتا تھا۔ کہ یہ "مکتب کی کرامت" نہیں انکی کیمیا گر صحبت کا اثر ہے۔

اب نہ تو حضرت تھانویؒ اور شاہ وصی اللہ صاحبؒ جیسے مربی رہے اور نہ ویسی خانقاہیں۔

؎ وہ جو بیچتے تھے دوائے دل
؎ وہ دکان اپنی بڑھا گئے

دیوبند کے قیام کے دوران کوئی دن ایسا نہ گزرتا تھا جسمیں حکیم صاحبؒ، استاذ العلماء

حضرت مولانا محمد حسین بہاریؒ، حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی اور اس ناچیز کی بے تکلف اور مزاحیہ جملوں اور قہقہوں سے بھرپور مجلس منعقد نہ ہوتی ہو۔

حکیم صاحبؒ کی زبان ہم سب سے تیز چلتی، فقرہ بازیوں اور اپنی طرف سے دفاع میں احقر بھی پیچھے نہیں رہتا، حضرت علامہ بہاری تو استاذ اکبر تھے ہی ان کا احترام ہم سبھوں کے دل میں تھا، دلچسپی لینے اور قہقہہ لگانے میں حضرت مفتی صاحب بھی پیچھے نہیں رہتے تھے، ہماری مجلسیں عام طور پر عصر کی نماز کے بعد ہوتیں اور حکیم صاحبؒ کی نکتہ آفرینیوں اور تبصروں سے زعفران زار رہا کرتی تھیں۔

حکیم صاحبؒ کے ذہن میں سننے اور نہ سننے کے لائق واقعات کا نہ ختم ہونے والا ذخیرہ تھا مذاقاً انکی باتیں سنکر کبھی کبھی میں کہتا کہ ''ارواح ثلاثہ'' میں شامل ''امیر الروایات'' کی طرح آپ بھی ایک ''عزیز الروایات'' مرتب کر دیجئے۔ ان کے بیان کردہ واقعات کا تعلق علما، شعراء اور مختلف طبقہ کے لوگوں سے ہوا کرتا تھا اور اسے وہ بڑی دلچسپی کے ساتھ بیان کیا کرتے تھے۔

حکیم صاحبؒ سے وابستہ شخصیتوں میں ایک اچھی شخصیت ڈاکٹر اعزاز الدین بھوپالی مرحوم کی بھی تھی جو اعلیٰ تعلیم یافتہ اور نہایت ہی باوقار اور صالح انسان تھے، دار العلوم کے فارغ طلبہ کو انگریزی زبان سکھانے اور تاریخ وجغرافیہ، وغیرہ کی تعلیم دینے کے لئے انکو لایا گیا تھا۔ بڑے ذاکر وشاغل آدمی تھے، غالباً ان کا روحانی رشتہ بھوپال کے شاہ یعقوب مجددی صاحبؒ سے تھا۔ اپنے اصولوں کے بیحد پابند اپنا کام خود کرنے کے عادی اور ہمہ وقت ذکر وشغل میں رہنے والے آدمی تھے، حکیم صاحب کی فقرہ بازیوں اور بے تکلفانہ مذاق کا سلسلہ ڈاکٹر صاحبؒ کے ساتھ بھی رہا کرتا تھا۔

ایک دن کہنے لگے کہ ڈاکٹر صاحب! آپ اس قدر ذکر کرتے رہتے ہیں کہ خدشہ ہونے لگا ہے کہ کہیں جنت کے اس پار نہ پہنچ جائیں۔ ڈاکٹر صاحب کا جواب صرف مسکراہٹ اور یہ کہ حکیم صاحب آپ کیا فرمارہے ہیں؟!

حکیم صاحبؒ کی میری رہائش گاہ پر اکثر آمد ورفت رہتی تھی جس کی وجہ ذہنی ہم آہنگی اور

مزاجی یگانگت تھی، مجھے فطری طور پر اور ان کو خانقاہی نسبت کی وجہ سے تھانوی ذوق ومزاج ملا تھا، چنانچہ تعلیمی اداروں میں ہم لوگ سیاسی خرخشوں کے قائل نہیں تھے۔

دارالعلوم دیوبند کے احاطہ میں سیاسی دنگل بازیوں کی زندگی ہمیں یکسر پسند نہیں تھی اور جو حلقہ اس سلسلہ میں پیش پیش تھا، اس سے کبھی مزاجی مناسبت پیدا نہ ہوسکی، ہمیں دارالعلوم دیوبند میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی علمی جلوہ ریزیاں اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ہمہ جہت تجدیدی واصلاحی عطر بیزیاں پسند تھیں اور اسے ہی ہم دارالعلوم کی تاریخ کا حاصل سمجھتے تھے۔

دارالعلوم میں تھوڑے تھوڑے وقفہ سے ہنگاموں اور اسٹرائیکوں کا سلسلہ جاری رہا، لیکن حکیم صاحب اس سے سخت متنفر رہے اور برملا تنقیدوں سے بھی خطرات کے باوجود کبھی باز نہیں آئے۔

حکیم صاحبؒ جامعہ طبیہ کے احاطہ میں رہتے تھے لیکن سخت ہنگاموں کے زمانہ میں بھی روڈ پار کرکے دارالعلوم کی مسجد میں فجر سمیت ہر نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنے کے انکے معمول میں کبھی فرق نہیں آیا جو یقیناً انکی استقامت کی دلیل اور خانقاہی تربیت کا اثر تھا۔

حکیم صاحبؒ شعر فہمی کا بڑا اچھا ذوق رکھتے تھے انہیں اردو اور فارسی کے سینکڑوں اشعار یاد تھے اور نقد شعر کا بھی اچھا سلیقہ تھا۔ اردو کے مشہور شعراء غالب، اقبال سے لیکر حسرت، جگر اور اصغر وغیرہ کے بارے میں ماہرانہ تبصرہ کیا کرتے تھے، فراق، اختر شیرانی، ساحر، مجاز وغیرہ کے کلام ہی نہیں لطائف اور طباعی وذہانت کے واقعات کا ذکر بھی بڑی دلچسپی اور خوش اسلوبی کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ ایک خوش شکل نوجوان نے مسواک دی تو عربی میں گویا ہوگئے:

أعطيتني السواك أخي لاأرى سواك

من شجرة الاراك أخي لاأرى سواك

ظاہر ہے کہ یہ انکی ذہانت اور حاضر دماغی کے ساتھ قدرت کلام کی بھی دلیل تھی۔ شعر وسخن پر گفتگو کا لطف اس وقت زیادہ بڑھ جاتا تھا جب محترم شبیر احمد صاحب ان سے چھیڑ چھاڑ کرتے یا کسی شاعر کے کلام پر تبصرہ فرمایا کرتے تھے۔

حضرت قاری شبیر احمد صاحب کو اللہ نے غیر معمولی ذہانت، فن قراءت میں مہارت کے

ساتھ شعروشاعری کا بڑا پاکیزہ ذوق عطا فرمایا، خود بھی اچھا شعر کہتے ہیں اور اساتذہ سخن اور نامور شعراء کے ہزاروں اشعار ان کو زبانی یاد بھی ہیں اور اس وقت تو ایک مدرسہ کے بہترین مہتمم، اچھے خطیب اور داعی و مصلح سبھی کچھ ہیں۔

حکیم صاحبؒ کے یہاں چائے پینے، دنیا بھر کے مسائل پر تبصرہ کرنے اور تنقیدیں سننے اور سنانے کا لطف حضرت قاری صاحب کی موجودگی میں اور دوبالا ہو جایا کرتا تھا۔

حکیم صاحبؒ میں شعر وسخن ہی نہیں انسانوں کی ظاہری شکل وصورت سے لیکر باطنی اوصاف وخصوصیات تک پڑھنے کا بڑا سلیقہ تھا، معاملہ کو ایک نظر میں تاڑ جایا کرتے اور پھر تبصرہ کئے بغیر بھی نہ رہتے تھے۔ اس سلسلہ کا ایک لطیفہ یہ ہے کہ جب ایک صاحب نئے نئے دارالعلوم میں استاذ مقرر ہو کر آئے تو مسجد کے گیٹ پر ان کی شکل دیکھتے ہی کہنے لگے، مولوی بدر! سر چھوٹا داڑھی گھنی، اور کرتا لمبا، مجھے تو کسی فتنہ کی بو آرہی ہے، اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ چند ہی دنوں بعد کئی حادثات متعلق ذات سے انکی رونما ہوئے تو کہنے لگے کہ دیکھو میں نے کیا کہا تھا؟

ظاہر ہے کہ قیافہ شناسی ایک فن ہے لیکن اسکی حیثیت قرینہ سے زیادہ نہیں ہے۔ اس لئے شرعی احکام میں اسے دلیل کا نہیں محض قرینہ اور علامت کا درجہ دیا گیا ہے۔

حکیم صاحبؒ کی کچھ باتوں کو ہم انکے "ذوقیات" کے خانے میں ڈالتے، ہمیں یقین نہیں ہوتا اور حکیم صاحب کو اپنے نکتہ پر اصرار رہتا تھا۔

اکثر وبیشتر گرمی کی شدت کے زمانہ میں بدن کھول کر پوربی انداز میں صرف ایک لنگی یا بنیان اور لنگی پہن کر جامعہ طبیہ کے احاطہ یا اپنے کمرہ میں قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے یا حصن حصین پڑھتے ہوئے نظر آتے تھے، یہ انکی خانقاہ سے وابستگی کا کرشمہ تھا ورنہ اس قدر ذہین اور آزاد طبع انسان معمولات کا اس قدر پابند نہیں ہو سکتا تھا۔

ان میں دینی غیرت وحمیت تھی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت تھی، اور اپنے شیخ، اور حضرت تھانویؒ اور دیگر اکابر دیوبند سے بے پناہ عقیدت بھی تھی جس کا اثر انکی بات چیت اور طریق زندگی میں نمایاں رہتا تھا۔

حکیم صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے تصنیف وتالیف کا اچھا سلیقہ دیا تھا وہ بے حد زود نویس تھے۔ انہوں نے امام ابوحنیفہؒ کی سوانح، رسول اکرم صلی اللہ علی وسلم کی سیرت اور متعدد کتابیں تصنیف کر ڈالیں۔

عربی زبان سے ترجمہ پر آئے تو شیخ محمد بن ناصر العبودی کی افریقیا الخضراء کا ترجمہ ''شاداب افریقہ'' کے نام سے اور شیخ زائد کی سوانح حیات کا ترجمہ کر ڈالا، علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے رسالہ خاتم النبیین کا بھی فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا۔

لیکن ان کے کارناموں میں اہم ترین چیز انکی تیار کردہ میڈیکل ڈکشنری ہے جو ہزاروں صفحات پر مشتمل ہے اور جو انکی قابلیت کی دلیل ہے، اس ڈکشنری نے ہی انکے لئے حج بیت اللہ کی راہ آسان کی۔ وصی میڈیکل ڈکشنری کے علاوہ انہوں نے ایک اور سہ لسانی طبی ڈکشنری بھی لکھدی ہے، جو انکے کمال اور عربی اردو اور انگلش پر عبور کی علامت ہے۔

دارالعلوم دیوبند میں حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کی عظمت کا اور انکی معصومانہ اداؤں کا خاص طور پر ذکر کرتے تھے اور انکے خلاف ایک حلقہ کی طرف سے کئے جانے والے غلط پروپیگنڈوں سے سخت کبیدہ خاطر رہتے تھے۔

رفقاء واحباب وہم عصروں میں جامعہ طبیہ کے اساتذہ، ڈاکٹر اعزاز الدین صاحب، سید ازہر شاہ قیصر، مولانا حامد الانصاری غازی صاحبؒ، حضرت مولانا محمد حسین بہاریؒ، حضرت مفتی ظفیر الدینؒ مفتاحی صاحب اور عزیزوں میں اس ناکارہ کے ساتھ نشست و برخاست تقریباً روزانہ ہی رہا کرتی تھی۔ طبیعت میں اللہ نے بڑی صفائی اور نفاست رکھی تھی، ہمیشہ صاف ستھرے لباس میں رہتے تھے۔

دارالعلوم سے علاحدگی کے بعد کچھ عرصہ کیلئے وہ دبئی چلے گئے تھے، جہاں ان کا اکلوتا بیٹا ملازم تھا۔ حکیم صاحبؒ نے وہاں عملی طور پر مطب بھی کھول لیا تھا اور علاج ومعالجہ کا سلسلہ بھی شروع کر دیا تھا۔ پھر وطن میں آکر مقیم ہوئے اور حالات کی نامساعدت کے باوجود ان کے معمولات کی پابندی میں فرق آیا اور نہ تصنیف وتالیف کے مشغلہ میں خلل واقع ہوا۔

ہے مشق سخن جاری چکی کی مشقت بھی
ایک طرفہ تماشہ ہے حسرت کی طبیعت بھی

عمر کے آخری ایام میں ''لغات حدیث'' کے نام سے ایک طویل کتاب کی تالیف میں وہ مشغول تھے اور حضرت مولانا سعید الأعظمی صاحب کی اطلاع کے مطابق تقریباً تین ہزار صفحات وہ لکھ چکے ہیں۔

رمضان المبارک میں اس کے چند صفحات انہوں نے مولانا ابصار الحق قاسمی مئو کے ذریعہ میرے پاس بھجوائے تھے، تاکہ اس کی طباعت وغیرہ کا کہیں سے نظم ہوجائے، ان اوراق کو میں پورے طور پر پڑھ بھی نہیں پایا تھا کہ رمضان المبارک کے مہینہ میں اور غالباً عشرہ اواخر کی آمد کے ساتھ ہی ان کا وقت موعود آپہونچا اور وہ ہمیشہ کیلئے داغ مفارقت دے گئے، جسکی اطلاع بھی مجھے دیر سے ملی۔

ع حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

فارسی کے مشہور شاعر قاآنی کا اپنے معاصر شاعر خاقانی کی پہلے موت پر یہ شعر انہوں نے ہی سنایا تھا کہ میرا خیال یہ تھا کہ خاقانی میرا مرثیہ کہے گا، لیکن افسوس کہ مجھے ہی اس کا مرثیہ کہنا پڑ رہا ہے:

ہمیں گفتم کہ خاقانی دریغا گوئے من باشد
دریغا من شدم آخر دریغا گوئے خاقانی

اللہ تعالیٰ حکیم صاحبؒ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور انکی ہر طرح کی لغزشوں کو معاف فرمائے اور انہیں صدیقین و صالحین کے زمرہ میں شمار فرمائے۔ آمین۔

داغِ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
ایک شمع رہ گئی تھی، سو وہ بھی خموش ہے

ایک جامع الکمالات شخصیت

مولانا حکیم عزیز الرحمٰن مئویؒ

مولانا نور عالم خلیل امینی

(استاد عربی ادب دار العلوم دیوبند)

جمعرات: ۱۹ر رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ مطابق ۲۰۰۹ء کو صبح تقریباً ۱۰ بجے مولانا حکیم عزیز الرحمٰن صاحب مئوی سابق استاذ جامعہ طبیہ دار العلوم دیوبند و پسر اکبر حضرت مولانا محمد ایوب صاحب اعظمیؒ (۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۱ء - ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۴ء) سابق شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، و برادر اکبر مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب اعظمی ندوی مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ و چیف ایڈیٹر ''البعث الاسلامی'' لکھنؤ، اپنے وطن ''مئوناتھ بھنجن'' کے محلہ ''الٰہ داد پورہ'' میں جس کے وہ باسی تھے، تقریباً ۹۱ سال کی عمر میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اِنا للہ واِنا اِلیہ راجعون۔ اللہ انہیں غریق رحمت کرے، جنت الفردوس کا مکین بنائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل و اجر جزیل عطا فرمائے۔

وہ خاصے بڑھاپے کے باوجود، بڑی حد تک صحت مند تھے، انتقال سے تقریباً ایک ماہ قبل اپنے گھر میں زینے سے پھسل گئے، جس سے ران کی ہڈی ٹوٹ گئی اور کمر میں شدید چوٹ آئی، گھر ہی میں ڈاکٹروں کی نگرانی میں علاج ہو رہا تھا کہ وقت آخر آپہنچا اور وہ وہاں چلے گئے، جہاں ہر انسان کو جانا ہے۔

حکیم صاحب کا امتیاز:

حکیم صاحبؒ پختہ علم عالم دین، لدنی نباض اور ذی استعداد حکیم اور عربی کے ساتھ ساتھ اردو، فارسی اور انگریزی پر خاصا عبور رکھتے تھے۔ وہ شستہ و برجستہ اور خوبصورت اردو لکھتے تھے اور فارسی و انگریزی سے اردو میں اتنا ماہرانہ اور رواں ترجمہ کرتے تھے کہ کہیں سے ترجمے پن کا احساس نہ ہوتا تھا، بلکہ لگتا تھا کہ کسی اچھے اہلِ قلم اور اردو کے ماہر انشا پرداز نے براہ راست اردو نویسی کی ہے۔ وہ فارسی اور اردو میں مشقِ سخن بھی کر لیتے تھے اور شعر و نثر کا پاکیزہ اور لائقِ ذکر ذوق رکھتے تھے۔ وہ بڑے ذہین اور اَخّاذ طبیعت کے مالک تھے، کسی علم و فن کے سیکھنے میں ذرا سی توجہ اُن کیلئے کافی ہوتی تھی۔

یوں تو وہ علم و فن کی دنیا میں کسی لائق ذکر شہرت کے حامل نہ تھے، جیسے بہت سے علماء و فضلاء اللہ کی مشیت و توفیق سے نام ور ہو جاتے ہیں، حال آں کہ ہر مشہور و نامور شہرت کا واقعی مستحق نہیں ہوتا، لیکن حکیم عزیز الرحمٰن صاحبؒ میں بڑائی و عظمت کے بہت سے عناصر پائے جاتے تھے: وہ بڑے خلیق تھے، ان کا دل آئینے کی طرح شفاف تھا، ساتھ ہی بڑے ذہین، خوش مزاج، پُر مذاق تھے، چھوٹے بڑے سے انتہائی خندہ روئی سے ملتے تھے، ان سے ٹوٹ کے محبت کرنے کو جی چاہتا تھا، وہ ہر ایک کے لئے انتہائی دیرینہ شناسا محسوس ہوتے تھے۔ انہوں نے جو علم و ہنر حاصل کیا، اس میں تعلیم گاہ سے زیادہ ان کی اَخّاذ طبیعت اور قدرتی ذہانت کا دخل صاف طور پر محسوس ہوتا تھا، وہ علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے، ان کے عظیم والد مولانا محمد ایوب صاحبؒ بلند پایہ محدث، انتہائی متقی اور علمائے سلف کی سیرت کے حامل تھے، انہوں نے اپنی اولاد کی اس طرح تربیت کی کہ ہر ایک لعل و گہر بن کر اپنی اپنی جگہ منفرد مقام کا حامل بن گیا۔ حکیم صاحبؒ کے برادرِ اوسط مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی برصغیر کے معدودے چند عالی قدر ادباء و اہل قلم میں سے ایک اور عربی کے صاحب طرز ادیب ہیں، ان کے منفرد اسلوب میں جاحظ کی استاذیت، ابن المقفع کی سلاست، عبدالحمید الکاتب کے نرالے پن، عبدالقاہر جرجانی کی بلاغت اور ان کے عظیم استاذ و مربی اور برصغیر کے عظیم داعی و مفکر و مؤلف و ادیب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی پرسوز زبان کا اثر صاف طور پر محسوس ہوتا ہے۔ ان کے برادرِ خرد

جناب ڈاکٹر مسیح الرحمٰن صاحب اعلیٰ درجے کے عصری تعلیم یافتہ اور پروفیسر ہیں۔

حصول علم:

اُن کا سنہ پیدائش ۱۹۱۸ء (۱۳۳۶ھ) ہے۔انہوں نے بیشتر تعلیم اپنے وطن ''مئو'' اور زیادہ تر ''مفتاح العلوم'' مئو میں حاصل کیا، جس کی تعمیر وترقی میں ان کے والد مولانا محمد ایوبؒ کا بھی بڑا رول رہا تھا۔ وہ عرصے تک وہاں اعلیٰ درجوں کے استاذ بھی رہے۔انہوں نے اپنے والد صاحب کی نگرانی میں تعلیمی سفر طے کیا۔ان کے اساتذہ میں محدث کبیر وعالم شہیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ (۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء-۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء) نیز عالم بے باک وقائد ہوش مند حضرت مولانا عبداللطیف نعمانی مئوی (۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء-۱۳۹۲ھ/۱۹۷۳ء) جیسے اہل علم وفضل ہیں۔انہوں نے اعلیٰ تعلیم کیلئے ہندوستان کی سب سے بڑی دینی درس گاہ دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا، ۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء میں انہوں نے یہاں دورۂ حدیث شریف کی کتابیں پڑھیں۔ ان کے دورے کے اساتذہ میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ (۱۲۹۵ھ ۱۸۷۹ء-۱۳۷۷ھ/۱۹۵۷ء)، شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا محمد اعزاز علی امروہویؒ (۱۳۰۰ھ/ ۱۸۸۳ء-۱۳۷۲ھ/۱۹۵۲ء) اور علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ (۱۳۰۴ھ/ ۱۸۸۶ء-۱۳۸۷ھ/ ۱۹۶۷ء) وغیرہ ہم جیسے اعلام علم وفضل تھے۔

عملی زندگی:

دارالعلوم سے فراغت کے بعد انہوں نے ۱۹۴۴ء (۱۳۶۳ھ) میں B.A. کا پرائیویٹ امتحان دیا، پھر مئو کے (D.A.V) کالج میں عرصہ تک فارسی کی تعلیم دی اور عصری وانگریزی علوم میں صلاحیت بہم پہنچائی۔ان کے برادرِ اوسط مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مدظلہ نے اس ناچیز کو بتایا کہ انہوں نے کچھ عرصہ تجارت کا مشغلہ اختیار کیا، پھر انگریزی دواخانہ قائم کیا، جس میں کلینک کا نظم بھی کیا اور باکمال ڈاکٹروں کی خدمات حاصل کیں، وہ خود بھی مریضوں کو دیکھنے کی خدمت انجام دیتے تھے، اسی لئے ان کا دواخانہ خوب چلا اور مئو کے ممتاز دواخانوں میں

شمار ہونے لگا، لیکن ان کی علمی و دینی افتاد نے انہیں اس راہ کا تادیر مسافر بنے رہنے سے باز رکھا، وہ اس کے بعد وقت کے عالی مقام اہل دل حضرت مولانا شاہ وصی اللہ فتح پوری الہ آبادیؒ (۱۳۱۲ھ/ ۱۸۹۵ء-۱۳۸۷ھ/ ۱۹۶۷ء) کے دست گرفتہ ہو گئے، جو علم و معرفت کے امام وقت حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ (۱۲۸۰ھ/ ۱۸۶۳ء-۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء) کے اجل خلفاء میں تھے۔ وہ کئی سال تک ان کی صحبت سے مستفیض ہوتے رہے اور ان کے نفسِ گرم کی تاثیر سے اپنے قلب و روح کو گرماتے رہے۔

جامعہ طبیہ دارالعلوم دیوبند میں بہ حیثیت استاذ آمد کی تقریب:

اسی اثناء میں ۱۳۸۰ھ/ ۱۹۶۰ء میں حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کے علم میں یہ بات لائی گئی کہ دارالعلوم دیوبند نے علم طب کی تعلیم کیلئے باقاعدہ ایک ادارہ "جامعہ طبیہ" کے نام سے قائم کیا ہے۔ جامعہ طبیہ کے قیام کے دو سال بعد شاہ صاحبؒ کو معلوم ہوا کہ وہاں متعدد اچھے اساتذۂ طب کی ضرورت ہے، شاہ صاحبؒ نے حکیم صاحبؒ کو حکم فرمایا کہ آپ وہاں تدریسی خدمات کے لئے درخواست دے دیں، حکیم صاحبؒ نے فرمایا کہ میں نے باقاعدہ علم طب نہیں پڑھا ہے، صرف ذرا بہت مطالعہ اور تجربہ ہے، بھلا میں وہاں تدریس کی کیسے جرأت کر سکتا ہوں؟ شاہ صاحب نے فرمایا: تم درخواست گزار دو، مجھے یقین ہے کہ تم وہاں مشکل سے مشکل کتابیں دیگر اساتذہ سے اچھی پڑھاؤ گے، چنانچہ حکیم صاحب نے تدریس کیلئے درخواست دی، وہاں استاذ ہوئے اور خدا کی توفیق اور شاہ صاحب کی دعا و توجہ کی برکت سے انتہائی کامیاب استاذ ثابت ہوئے۔

جامعہ طبیہ میں بہ حیثیت استاذ تقرر:

دارالعلوم میں حکیم صاحبؒ نے "جامعہ طبیہ" میں تدریس کیلئے درخواست دی اور انہیں دارالعلوم میں انٹرویو کیلئے بلایا گیا، انٹرویو کے بعد جامعہ طبیہ کے پرنسپل حکیم محمد عمرؒ (متوفی

شنبہ:۳؍ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۷؍جولائی ۱۹۹۹ء) نے اہتمام کو جو رپورٹ ۱۹؍ذی الحجہ ۱۳۸۲ھ کو پیش کی اس میں تحریر فرمایا کہ "جو طبا انٹرویو میں شریک تھے، ان میں سے مولوی حکیم عزیز الرحمٰن صاحب ہیں، جو کہ الہ آباد سے آئے تھے، دین داری اور قابلیت کے اعتبار سے اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ جناب والا (حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب، مہتمم دارالعلوم دیوبند) نیز حضرت علامہ مدظلہ (علامہ محمد ابراہیم بلیاوی) نے بھی ان کو پسند فرمایا تھا۔"

اہتمام کی طرف سے ۲۰؍ذی الحجہ ۱۳۸۲ھ کو حکیم صاحب کو الہ آباد خط لکھ کر استفسار کیا گیا کہ کیا وہ دارالعلوم کے عربی طبی نصاب کی مندرجہ ذیل کتابیں پڑھا سکتے ہیں یا نہیں؟: قانون چہ، سدیدی فن ثانی، شرح اسباب مکمل، نفیسی کلیات، قانون شیخ کلیات وحیات، کامل الصناعۃ مقالۂ ثانیہ وثالثہ وتاسعہ۔ نیز طلباء کو نسخہ نویسی کی مشق بھی کرا سکیں گے کہ نہیں؟

اس کے جواب میں حکیم صاحبؒ نے مہتمم صاحب نوراللہ مرقدہ کے نام ذیل مکتوب ارسال فرمایا، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ خدا کی توفیق، اپنی ذاتی محنت وذہانت، اپنے عظیم والد اور اپنے شیخ ومربی کی دعاؤں کے طفیل ان میں کتنی خوداعتمادی اور استعدادِ کامل پیدا ہوگئی تھی:

"ذوالمجد والکرم! متعنا بطول بقائہ۔"

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

گرامی نامہ مورخہ ۱۳۸۲/۱۲/۲۰ھ شرفِ صدور لایا، مسرت ہوئی، سوالات مندرجۂ مکتوب گرامی کے جواب میں گزارش ہے کہ بعون اللہ تعالیٰ میں جناب کے طبیہ کالج کے جملہ مضامین وفنونِ طب پڑھانے کی پوری قدرت رکھتا ہوں۔ اگر طلبہ عربی زبان میں چاہیں تو عربی میں بھی باحسنِ وجوہ تقریر کرسکتا ہوں اور اگر فارسی واردو میں چاہیں تو ان دونوں زبانوں میں اہل زبان کی طرح تعلیم وتقریر کرسکتا ہوں۔ نسخہ نویسی وطب جدید کے مضامین خواہ وہ انگریزی زبان ہی میں کیوں نہ ہو، نہایت آسانی سے سمجھنے اور سمجھانے کی قدرت رکھتا ہوں۔ الحمدللہ کہ اس سلسلہ میں کسی اعانت ورہنمائی کا محتاج ثابت نہ ہوسکوں گا۔

عزیز الرحمٰن

اس کے بعد اہتمام دارالعلوم نے انہیں دارالعلوم حاضر ہونے کو کہا، حکیم صاحبؒ ۱۳؍محرم ۱۳۸۳ھ کو دارالعلوم حاضر ہوئے اور اپنی حاضری اور کارِ مطلوبہ کی تفویض کی درخواست ان الفاظ میں دی:

"گرامی مرتبت حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ حسب الحکم مؤرخہ ۱۳۸۳/۵/۲۵ھ آج بہ تاریخ ۶؍جون ۱۹۶۳ء حاضر ہورہا ہوں، مجھ سے جو خدمات متعلق ہوں، ان کی تفویض کا حکم صادر فرمادیا جائے، ممنون کرم ہوں گا، اطلاعاً گزارش ہے۔

عزیز الرحمٰن

پنج شنبہ ۱۳؍محرم ۱۳۸۳ھ

اس درخواست کو حکیم محمد عمر صاحبؒ پرنسپل جامعہ طبیہ نے، اسی دن شام کو ۴؍بجے دفترِ اہتمام میں بھیج دیا۔ جس پر کاروائی کرتے ہوئے حضرت مہتمم صاحبؒ نے بروز منگل ۱۸؍محرم ۱۳۸۳ھ مطابق ۱۱؍جون ۱۹۶۳ء کو حکیم صاحب کا تقرر فرماتے ہوئے یہ الفاظ تحریر فرمائے:

"حکیم عبدالکریم صاحب کے استعفیٰ دے کر چلے جانے سے ادارۂ طبیہ کی تدریس میں جو خلا واقع ہوگیا تھا، اس کے جلد سے جلد پُر کرنے کی ضرورت تھی، ورنہ تعلیم کا نقصان تھا اور آغاز سال میں یہ نقصان ناقابل تلافی ہوتا، اس لئے جناب مولوی حکیم عزیز الرحمٰن کو اس خدمت کے لئے بلایا گیا۔ ممدوح انٹرویو میں شریک تھے، ان کی صفات کو قابلِ اعتماد سمجھا گیا تھا، لہٰذا ممدوح کا تقرر جامعہ طبیہ میں کیا جاتا ہے"۔

طیب

۱۳۸۳/۱/۱۸ھ

حکیم صاحبؒ نے جامعہ طبیہ دارالعلوم دیوبند میں فن طب کی عربی و فارسی کی مشکل ترین کتابیں، جنہیں پڑھانا دگر اساتذہ کیلئے عموماً دشوار گزار تھا، کم وبیش ۲۳ رسال تک ماہرانہ انداز میں پڑھائیں، ان کے بہت سے تلامذۂ طب اور رفقائے تدریس انہیں ''حکیم لدنی'' بھی کہتے ہیں، کیوں کہ انہوں نے فن طب کو باقاعدہ نہ پڑھنے کے باوجود، جس لیاقت کے ساتھ مشکل سے مشکل کتابوں کا درس دیا اور طلباء واساتذہ وذمہ داران کی محبت واعتماد حاصل کیا، اس کو ان کی ذہانت کے ساتھ ساتھ، خدا کی توفیق خاص اور ان کے والد تقویٰ شعار حضرت مولانا محمد ایوبؒ اور ان کے مقبول بارگاہ الٰہی شاہ وصی اللہ الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی دعاؤں کا خاص ثمرہ ہی باور کیا جاسکتا ہے۔

جامعہ طبیہ بند ہوجانے کے بعد:

۱۰ رمارچ ۱۹۸۶ء (۲۷ رجمادی الاخری ۱۴۰۶ھ) کو حکومت ہند کی طرف سے عائد کردہ قانونی رکاوٹوں کی وجہ سے دارالعلوم دیوبند کیلئے ضروری ہوگیا کہ وہ جامعہ طبیہ کو بند کردے، کیونکہ گورنمنٹ کی ناقابلِ عمل قانونی پابندیوں پر عمل کرنا اور سخت شرطوں کو پوری کرنا دارالعلوم کے بس میں نہ تھا، کیونکہ دارالعلوم ایک اقلیتی ادارہ ہے جو مسلمانوں کی دینی تعلیم وتربیت، کتاب وسنت کے علوم کی ترویج، سیکولر ہندوستان میں اسلامی وجود کی حفاظت اور حساس اسلامی سرحد پر ذمہ دارانہ مورچہ بندی کیلئے معرض وجود میں آیا تھا اور الحمدللہ اس سلسلہ میں وہ قائدانہ رول، ذمہ داری سے ادا کررہا ہے۔

جامعہ طبیہ کے بند ہوجانے کے بعد دارالعلوم نے اس کے اساتذہ اور ملازمین کو مختلف قسم کی ذمہ داریاں سپرد کیں جو ان کی علمی صلاحیت اور تعلیمی تجربے سے میل کھاتی تھیں، حکیم عزیز الرحمٰن صاحبؒ کے حصہ میں یہ آیا کہ وہ ''شیخ الہند اکیڈمی'' کے قلمی اور تحقیقی رفیق بن جائیں اور اپنی پسند کے موضوعات پر کتابیں اور مقالات لکھیں۔ حکیم صاحبؒ نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اردو زبان میں اپنی گراں قدر کتاب ''مناقب امام اعظم ابوحنیفہ'' لکھی

،لیکن دو تین سال کے بعد ہی دارالعلوم کی مجلس شوریٰ نے اپنے اجلاس منعقدہ صفر ۱۴۰۹ھ میں ان کی سن رسیدگی اور بڑھاپے کی وجہ سے انہیں علامتی ماہوار وظیفے پر ریٹائر کئے جانے کا فیصلہ کیا، جسے دارالعلوم کے مہتمم مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نے ۲۲ر صفر ۱۴۰۹ھ (۶ر دسمبر ۱۹۸۸ء) کو نافذ کرتے ہوئے، انہیں یکم ربیع الاول ۱۴۰۹ھ سے ۴۰۰ روپئے ماہوار وظیفہ دیے جانے کی اطلاع دی، جو ان کی وفات تک انہیں دیا جاتا رہا۔

ان کی وفات، رمضان کے مبارک مہینہ میں ہوئی جس میں حدیث شریف کے مطابق جنت کے دروازے کھول اور جہنم کے دروازے بند کردیے جاتے ہیں اور سرکش شیاطین کو قید کردیا جاتا ہے، اس لئے اللہ کریم کے فضل سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے گا اور ان کی اُن تمام خطاؤں اور لغزشوں سے، جن سے کوئی فردِ بشر خالی نہیں، درگزر فرمائے گا۔

حکیم صاحبؒ، جامعہ طبیہ کے محبوب ترین استاذ تھے۔ میں نے ان کے تلامذہ کو ان کا بے حد ثناخواں پایا، وہ ہر مجلس میں ان کی تدریسی صلاحیت، تعلیمی لیاقت اور مطلوبہ مضامین کو انتہائی سہل اور شیریں انداز میں طلباء کے سامنے پیش کرنے کے ان کے ملکے کا تذکرہ کرتے رہتے تھے۔ وہ فن تدریس میں اس لئے بھی کامیاب تھے کہ ان کی مجلس درس سنجیدگی اور مذاق، خوش مزاجی اور ظرافتِ طبعی کا آمیزہ ہوتی تھی۔ سب سے بڑی بات یہ کہ ان کی ذہانت ان کیلئے زندگی کے ہر مشن کو حد درجہ آسان کردیتی تھی۔

حکیم صاحبؒ کی تالیفی خدمات:

مرحوم تصنیف وتالیف کے حوالے سے قدرتی صلاحیت کے حامل تھے۔ ان کا قلم بہت رواں تھا۔ وہ تدریسی کمال کے ساتھ ساتھ تالیفی میدان کے بھی شہ سوار تھے۔ ان کی مندرجہ ذیل تصنیفات شائع ہوچکی ہیں:

طب نبوی، مآثر اعظم، امراض صدریہ، کتاب الرحمت، سوانح فراہی، سوانح عطار، سوانح

ابو ہریرہ، اعجاز علمی کی بنیادیں، شاداب افریقہ، ختامہ مسک، میڈیکل انگلش اردو ڈکشنری، سنگم سہ لسانی (اردو، عربی، انگلش) ڈکشنری۔ ان کی بہت سی کتابوں اور تراجم کے مسودات منتظر اشاعت ہیں جن کی تعداد شائع شدہ کتابوں سے زیادہ ہے۔ ان کی موت کے بعد ان کے یہ علمی سرمایے اور تصنیفی وتالیفی کارنامے ان کے لئے صدقۂ جاریہ ثابت ہوں گے اور ان کے لئے اجر مسلسل کا ذریعہ بنیں گے۔

حکیم صاحب سے تعارف وتعلق:

ان سے طالب علمی کے زمانے میں اس ناچیز کے متعارف ہونے کی تقریب یہ ہوئی کہ دارالعلوم کے مشہور ہاسٹل ''دارِجدید'' کے کیمپس میں جس کے ایک بالائی کمرے ۳۰/۳ میں میری اور میرے ہم قریہ طلبہ کی رہائش تھی، جمعہ کے دنوں میں غسل خانوں میں بڑی بھیڑ ہوجاتی تھی، چنانچہ میں اور میرے کئی رفقائے درس عموماً جمعہ کے دنوں میں ''جامعہ طبیہ'' کی عمارت کے کیمپس کے ایک گوشے میں نصب کردہ ہینڈ پائپ پر جا پہنچتے، اور اسی پائپ پر غسل کرتے اور اپنے کپڑے صاف کرتے۔ یہ ہینڈ پائپ ''جامعہ طبیہ'' کے احاطے میں حکیم صاحبؒ کے کمرے کے پاس واقع تھا۔ ہم جب بھی وہاں جاتے، تو وہ ہم سے خیر خیریت معلوم کرتے، ہمارے درجوں کا احوال، ہمارے وطن اور خاندان کی بات پوچھتے، بسا اوقات وہ اپنی خدمت پر مامور طالب علم کو ہمیں چائے وغیرہ پیش کرنے کا حکم دیتے۔ اس طرح حکیم صاحبؒ سے ہماری خوب جان پہچان ہوگئی اور وہ ہمارے لئے رفتہ رفتہ ولی الامر کا درجہ اختیار کر گئے، وہ ہمیں نصیحتیں کرتے، مشورے دیتے اور ہماری بھلائی کی سوچتے۔ انہیں اندازہ ہوگیا تھا کہ ہمیں پڑھنے لکھنے سے دلچسپی ہے، ہم لوگ پڑھائی لکھائی میں محنت کرتے ہیں، انہیں ہمارے طور طریقے سے یہ خوش گمانی ہوگئی تھی کہ ہم سوجھ بوجھ کے طالب علم ہیں، اس لئے وہ ہماری خبر گیری اور تعلیم وتربیت پر خصوصی توجہ دینے لگے، کیوں کہ انہیں ذہین طلباء اور محنتی نوجوان سے ہمیشہ محبت رہی۔

انہیں کسی طرح ایک روز یہ بات معلوم ہوگئی کہ ہم دارالعلوم سے مفت دیا جانے والا کھانا کھایا کرتے ہیں، ایک دن کی بات ہے کہ ہم اپنے کمروں سے اترمدنی گیٹ کے زینوں سے نیچے آکر درس گاہ کی طرف جارہے تھے کہ حکیم صاحبؒ سے ملاقات ہوگئی، وہ دارالعلوم سے مدنی گیٹ کی طرف جارہے تھے، ان کا رخ ''جامعہ طبیہ'' کی طرف تھا، انہوں نے ہمیں روک لیا اور فرمایا: ہمیں تم لوگوں سے ایک بات کہنی ہے: تم لوگ محنتی اور ذہین طالب علم ہو، ہماری رائے ہے کہ دارالعلوم کی طرف سے مفت دی جانے والی خوراک استعمال نہ کرو، کیونکہ یہ خوراک عموماً ان عوامی چندوں سے پیش کی جاتی ہے، جن کا بڑا حصہ زکاۃ پر مشتمل ہوتا ہے۔ زکاۃ مالدار مسلمانوں کے مالوں کا میل کچیل ہوتی ہے۔ جس سے فکری تاریکی اور قلبی ظلمت پیدا ہوجانے کا خطرہ ہوتا ہے، کیا اچھا ہوتا کہ اگر تمھارے بس میں ہو تو تم لوگ اس سے پرہیز کرتے۔ ہم نے کہا: ہم لوگ نادار طالبِ علم ہیں، ہمارے گھروں پر بھی کوئی کشادگی نہیں اور یہاں تو ہم وطن سے دور دینی علوم کی طلب میں، طالبِ علمانہ زندگی گزار رہے ہیں۔ حکیم صاحبؒ نے فرمایا: تب تم لوگوں کے لئے دارالعلوم کے مفت کھانے میں کوئی مُضایقہ نہیں، مجھے افسوس ہے کہ میں نے تم لوگوں کو ایسا مشورہ دیا جس پر عمل کرنا تمھارے بس میں نہیں۔

حکیم صاحبؒ کی ہم لوگوں کے ساتھ یہ مخلصانہ شفقت ومحبت صرف اُسی وقت تک قائم نہ رہی جب تک ہم لوگ دارالعلوم میں طالبِ علم رہے، بلکہ دارالعلوم سے ہماری جدائی کے بعد بھی وہ برابر ہماری خیر خیریت، مراسلت اور آنے جانے والوں کے ذریعے معلوم کرتے رہے۔ ایسے مخلص اور ہم درد ''بڑے'' بہت کم ہوتے ہیں، جو کسی غرض کے بغیر ''اجنبی لوگوں'' اور دور افتادہ انسانوں سے ہمہ دم تعلق رکھیں۔ اللہ اُنہیں بہت نوازے اور اُن کی ساری شفقتوں کا بدلہ وہاں عطا کرے، جہاں اس بدلے کی اُنہیں بہت ضرورت ہوگی۔

دارالعلوم دیوبند میں بہ حیثیت استاذ راقم کی آمد اور حکیم صاحب کی مسرّت:

شوال ۱۴۰۲ھ/ اگست ۱۹۸۲ء میں یہ راقم بہ حیثیت استاذِ دارالعلوم وچیف ایڈیٹر الداعی

عربی دارالعلوم آیا تو وہ بہت خوش ہوئے، جیسے کوئی شفیق باپ اپنے بیٹے سے اُس وقت خوش ہوتا ہے جب وہ اپنی دنیا یا آخرت سے متعلق کوئی بڑا مقصد حاصل کر لیتا ہے۔ یہاں آنے کے بعد ''جامعہ طبیہ'' کی عمارت کے احاطے میں اُن کے کمرے میں پہلے کی طرح مجلسیں جمنے لگیں، یہ مجلسیں بسا اوقات مخدوم گرامی حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی (۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۶ء-۰۰۰۰/۰۰۰۰) سابق مفتی دارالعلوم دیوبند یا استاذِ محترم علامہ محمد حسین بہاریؒ (۱۳۲۱ھ /۱۹۰۳ء-۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء) سابق استاذ حدیث کے کمروں میں بھی جما کرتی تھیں، جن میں طرح طرح کی باتیں ہوتیں اور علمی و دینی مباحثوں کے علاوہ حالاتِ حاضرہ پر بصیرت مندانہ تبصرے بھی ہوتے تھے۔ اب نہ مجلس والے رہے اور نہ یہ مجلسیں، جب بھی اِن مجلسوں کی یاد آتی ہے تو کلیجہ منھ کو آنے لگتا ہے، کیا خوب دن تھے اور کتنے اچھے لوگ۔ رہے نام اللہ کا۔

دارالعلوم کی پرانی انتظامیہ جس کے سربراہ ہندوستان کے منفرد عالم، اسلام کے بڑے ترجمان اور برِّ صغیر ہند و پاک میں اُس کی بلیغ زبان کی حیثیت، یعنی برصغیر میں دورِ آخر میں اسلام کے بہت بڑے پاسبان امامِ ہمام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (۱۱۴۸ھ/۱۸۳۲ء-۱۲۹۷ھ /۱۸۸۰ء) کے پوتے حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ تھے، کو برخاست کر کے جب نئی انتظامیہ دارالعلوم میں برسرِ کار آئی، تو ہم خادموں کو دعوتِ خدمتِ تدریس و تحریر دی گئی۔ ہم یہاں شوق کے پروں سے اُڑ کے آئے، لیکن چوں کہ اُس وقت تک اختلاف کی گرد تھمی نہ تھی اور حالات کا اونٹ صحیح کروٹ بیٹھ نہ سکا تھا، اِس لئے یہاں غیر یقینی کی صورتِ حال باقی تھی، جس کی وجہ سے نہ صرف بے کیفی تھی، بل کہ کام کرنے والوں کو بڑی حد تک اپنے کاموں میں جی بھی نہ لگتا تھا۔ اِس راقم کی طبیعت تو اور بھی بہت اچاٹ اچاٹ سی رہتی تھی، کیوں کہ اُس کو اس طرح کے حالات کا کبھی سابقہ نہ ہوا تھا۔ اِن حالات میں حکیم صاحبؒ نے ہم لوگوں کو ذہنی طور پر یہاں خاطر جمع رکھنے اور اپنے کام میں ہمہ تن مشغول رہنے کے لئے بہت تیار کیا، ورنہ شاید ہم اِن حالات میں یہاں جم نہ پاتے۔

صورت وسیرت:

حکیم صاحبؒ گورے چٹے مائل بہ گندمی اور متوسط القامت تھے، بڑی حد تک مضبوط کاٹھی کے تھے، اُن کی بھنویں گھنیریں تھیں، لیکن داڑھی کے بال قدرتی طور پر شکستہ تھے، اُن کی آنکھیں ذہانت سے چمکتیں اور طبعی زیرکی کا پتہ دیتی تھیں۔ پیشانی کشادہ اور ناک کھڑی تھی۔ وہ قدرے جھومتے ہوئے چلتے، وہ ہمہ وقت خندہ رُو رہتے، اُن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلتی رہتی، لیکن جب کوئی اہم معاملہ پیش آجاتا تو وہ گہری خاموشی اور طویل غور وفکر میں غرق ہوجاتے، وہ حالاتِ حاضرہ سے باخبر رہتے، تازہ خبروں پر تبصرے اور تجزیے کرتے، وہ لوگوں کی طبیعتوں اور زندگی میں اُن کے سلوک، لوگوں کے ساتھ اُن کے برتاؤ اور عام گفتگو میں اُن کے لب ولہجے کے ذریعے، اُن کی اندرونی کیفیات اور بڑی حد تک اُن کی نیتوں کا ادراک کرلیتے تھے۔ وہ اپنی جان پہچان کے لوگوں کے خیرخواہ اور اُن کی بھلائی کے طالب رہا کرتے تھے، وہ نہ صرف نماز باجماعت کے پابند، بلکہ دین کے آداب واحکام کے بھی پابند تھے، وہ نماز میں صفِ اول میں حاضری کا اہتمام کرتے، اُن کی تکبیر تحریمہ کبھی فوت نہ ہوتی، وہ بے فائدہ لوگوں سے اختلاط نہ رکھتے تھے، دنیا اور آخرت کی کوئی بھلائی اگر اُن سے متقاضی نہ ہوتی تو وہ لوگوں سے الگ تھلگ رہتے تھے، لیکن وہ کسی سے دشمنی کرتے نہ اُسے ناپسند کرتے اور نہ اُنکے دل میں کسی کی طرف سے کوئی غبار ہوتا۔

حکیم صاحب مجلسی آدمی تھے، ان کی صحبت میں بہت دل لگتا تھا، ان کی مجلس میں علم وادب، شعر ونثر، فکر وروشنی، عالمانہ نکتہ سنجی، ادیبانہ ضلع جگت، مبصرانہ تجزیہ، ذہانت وفطانت کی گل کاریاں اور غم غلط کرنے والے ایسے اور اتنے برجستہ اور رس بھرے فقروں کی بھرمار ہوتی تھی کہ کسی باذوق کو وقت کی طوالت کا احساس ہوتا تھا نہ ضروری معمولات میں خلل اندازی پر افسوس۔

اُنہیں برتنے والے کو اندازہ ہوجاتا تھا کہ وہ تنگ نظر اور کم علم عالم دین نہیں، بلکہ وسیع نظر، روشن فکر، مُتَنوِّعُ الثقافة اور کھلے دل ودماغ کے آدمی ہیں۔

مرحوم بڑے سخی، کشادہ نفس اور سنتِ نبوی پر عمل پیرا تھے، بالخصوص اپنا کام اپنے ہاتھوں

انجام دینے کے حوالے سے۔ وہ سن رسیدگی اور کم زوری کے باوجود اپنے سارے کام خود انجام دیتے تھے حتیٰ کہ مرض الموت میں وہ لیٹے لیٹے اپنی ضروریات پوری کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ نہ صرف صوم وصلاۃ کے انتہائی پابند، بلکہ حدود اللہ کی انتہائی رعایت کرنے والے اور جوانی کے زمانے سے تہجد گزار اور شب بیدار تھے، جس پر وہ تاحیات قائم رہے، وہ بہت جلدی مانوس ہوجانے والے اور مانوس کر لینے والے تھے، وہ دوسروں کو محبوب رکھتے تھے، اِس لئے وہ دوسروں کے محبوب تھے۔ اُن سے ہر ملنے جلنے والا، اُن سے مانوس ہوجانے، اُن کی طرف مائل ہوجانے، اُن سے محبت کرنے اور انکی محبت پر باقی رہنے پر مجبور ہوتا تھا، کیوں کہ وہ اپنے ملنے جلنے والوں کے دلوں میں نا قابلِ زوال خوب صورت تأثر چھوڑ دیتے تھے۔

پسماندگان:

انہوں نے اپنے پیچھے دو بھائی چھوڑے: یعنی برادرِ اوسط مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی اور ڈاکٹر مسیح الرحمٰن اعظمی اور ایک لڑکا یعنی نیک خو عالم مولانا محی الدین طیب اور ایک لڑکی، یہ دونوں صاحبِ اولاد ہیں اور بھائیوں اور اُن کے صاحب زادوں اور صاحب زادیوں کا بھی بھرا پُرا خاندان ہے۔ اللہ سبھوں کو صحت وعافیت اور توفیقِ کارِ خیر کے ساتھ عمرِ دراز نصیب کرے۔

دنیا سے جانے والے اور دل سے نہ جانے والے:

اس انسان کی عظمت اور سعادت مندی کا کیا پوچھنا، جو موت کے بعد بھی زندہ رہتا ہے، کیوں کہ موت اُسے نہیں مار پاتی، موت اُس کے حوالے سے اپنی معنویت اور حقیقت کھو دیتی ہے، کیوں کہ اُس کے جسم کو تو فنا کر دیتی ہے، لیکن اُس کی یاد کو نہیں مٹا پاتی، اُس کے ڈھانچے کو تو معدوم کر دیتی ہے، لیکن اُس کی رُوح کو ختم نہیں کر پاتی، لہٰذا وہ انسانوں کی زبانوں پر پائے دار ترانہ بن کر باقی رہتا ہے، تاریخ کی پیشانی پر اُس کا نقش کندہ رہتا ہے اور وہ اُن لوگوں کے دلوں میں نا قابلِ فراموش یاد بن کر باقی رہتا ہے جن میں وہ اپنی اُس محبت کا بیج بو چکا ہوتا ہے جس کو کائنات کی کوئی طاقت مٹا نہیں پاتی۔

مجھے اُن کی وفات کی اطلاع بعض رسائل کے ذریعے ملی تو میرے خانۂ خیال میں یہ لذیذ اور عزیز یادیں گردش کرنے لگیں۔ اِن سطروں کے لکھتے وقت مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ مرحوم میرے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں، میری آنکھیں اُنہیں دیکھ رہی ہیں۔ وہ اپنے مزاحیہ جملوں کے ذریعے ہمیں ہنسا رہے ہیں، جو بڑے معنی خیز، مسرّت انگیز اور طرب ریز ہوتے تھے، اُن میں بلا کی لطافت ہوتی تھی جس سے حاضرین دیر تک مزے لیتے رہتے تھے۔

موت سے نہ مرنے والے:

ہر انسان کو موت کی کارروائی سے دوچار ہونا ہے، موت کی سنگ دلی اور اُس کے جبر واکراہ سے کسی اِنسان کو مفر نہیں، لیکن اُس انسان کا استثنا ہے جو اپنی سیرت وکردار، اپنے غیر معمولی کیریکٹر اور اُن خوشیوں کے ذریعے زندہ رہتا ہے، جنہیں وہ مفت سارے انسانوں میں بانٹا کرتا تھا اور اُن غموں کے ذریعے وہ زندہ رہتا ہے، جنہیں وہ اِس سے پہلے اپنی موت مرنے پر مجبور کر دیتا تھا کہ وہ اُس کے جان پہچان کے لوگوں، محبّین اور متعلقین کے لیے کسی تکلیف کا باعث بنیں اور اُن کی نیکیوں کے ذریعے زندہ رہتا ہے، جن سے وہ بہت سارے حقوق ادا کرتا، دلوں کو جیتتا اور خرچ کے ساتھ بڑھنے والی بھلائیاں انجام دیا کرتا تھا۔

مرحوم عزیز الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ وہی انسان تھے جو موت کے بعد زندہ، غائب ہونے کے بعد موجود اور نظروں سے اوجھل ہونے کے بعد نظروں کے سامنے ہوتا ہے۔ اللہ اُنہیں ہر اُس بھلائی کا بدلہ دے جو اُنہوں نے زندگی میں کسی کے ساتھ کی اور ہر اُس نیکی کا ثواب عطا کرے جو انہوں نے اپنے رب کی رضا وخوشنودی کے لیے انجام دی۔ اللہ اُنہیں اپنی کشادہ جنت میں بلند مقام عطا کرے۔ اور ساری تعریف تو صرف سارے جہان کے پروردگار کے لیے ہے۔

حواشی:

(۱) حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند۔

(۲) علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ

سدا باغ و بہار شخصیت

حضرت مولانا حکیم عزیز الرحمٰن اعظمیؒ

مولانا عتیق احمد بستوی
(استاد حدیث وفقہ دار العلوم ندوۃ العلماء)

ماضی قریب میں اس عالم فانی کو الوداع کہنے والی دینی وعلمی شخصیات میں ایک نمایاں نام حضرت مولانا حکیم عزیز الرحمٰن اعظمی کا ہے، حکیم صاحب مرحوم ایک علمی خانوادہ کے چشم وچراغ تھے، ان کے والد گرامی حضرت مولانا محمد ایوب اعظمیؒ چوٹی کے محدث اور علوم اسلامیہ کے شناور تھے، انہوں نے مدرسہ مفتاح العلوم مئو، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل گجرات جیسے مرکزی مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیں اور ہزاروں شاگرد چھوڑے، ان کا علمی فیض بہت دور دور تک پہنچا۔

حضرت مولانا محمد ایوب اعظمیؒ کے فرزند اکبر حضرت مولانا حکیم عزیز الرحمٰن صاحب مرحوم تھے، جنہوں نے مئو کے مدارس میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد از ہر الہند دار العلوم دیوبند میں تعلیم کی تکمیل کی اور شیخ الاسلام حضرت حسین احمد مدنیؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی، علامہ ابراہیم بلیاوی جیسے یگانۂ روزگار اساتذہ کے چشمۂ فیض سے فیضیاب ہوئے۔

حکیم عزیز الرحمٰن صاحب مرحوم سے اولین تعارف وملاقات دار العلوم دیوبند کے زمانۂ طالب علمی میں ہوئی، ۱۹۷۰ء سے ۱۹۷۴ء تک دار العلوم دیوبند میں قیام رہا، دار العلوم کی مسجد کی پہلی صفوں میں جو اساتذہ برابر نظر آتے تھے ان میں مولانا حکیم عزیز الرحمٰن صاحب مرحوم بھی تھے، قدیم طلباء سے معلوم ہوا کہ مولانا حکیم عزیز الرحمٰن صاحب جامعہ طبیہ دار العلوم دیوبند کے

قابل ترین سینئر استاد ہیں، ان کی صلاحیت اور وسعت مطالعہ کا سب کو اعتراف ہے، حضرت شاہ وصی اللہ صاحب خلیفہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خاص مرید اور مسترشد ہیں، حضرت شاہ صاحب سے انہیں والہانہ اور عاشقانہ تعلق ہے، بڑے زندہ دل، بذلہ سنج، ذہین وظریف، صاحب معمولات اور شب زندہ دار شخص ہیں بعض قدیم طلباء کے ساتھ ان سے ملاقات ہوئی، ان کی سادگی، تواضع، زندہ دلی اور حاضر جوابی نے بہت متاثر کیا، اور پھر بار بار ملاقاتیں ہوتی رہیں۔

وہ اپنے شاگردوں اور خوردوں سے بھی بے تکلف دوستوں کی طرح باتیں کرتے تھے، تکلف وتصنع سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہ تھا، شخصیات اور جماعتوں کے بارے میں اپنے تاثرات کا برملا اظہار کرتے، اس سلسلہ میں ان کے یہاں کوئی تحفظ نہ تھا، عام گفتگو میں بھی بڑی گہری اور پتے کی باتیں کہہ جاتے جس سے ان کی ذہانت، گہرے مطالعہ اور دقیق مشاہدے اور تجزیے کا اندازہ ہوتا، اللہ تعالی نے انہیں بلا کی ذہانت کے ساتھ غضب کا حافظہ بھی عطا فرمایا تھا، جو کچھ پڑھا اور دیکھا تھا ذہن میں کامل طور پر محفوظ تھا، دارالعلوم دیوبند اور اس کی شخصیات کا موضوع ہو یا جنگ آزادی اور مجاہدین آزادی کا موضوع ہو یا ہندوستان کی سیاست کا موضوع ہو، ان کی گفتگو بڑی عالمانہ اور ماہرانہ ہوتی تھی، واقعات وحوادث ان کے ذہن میں ایسے تازہ تھے جیسے ابھی پیش آئے ہوں۔

دارالعلوم دیوبند کے بہت سے طلباء انہیں حکیم لدنی کہتے تھے، جس میں اس کا اظہار تھا کہ ان کے علوم کسبی سے زیادہ وہبی ہیں، اللہ تعالی نے انہیں بہت سے علوم سے مالا مال کردیا تھا، علوم شرعیہ کی تو انہوں نے ماہر اساتذہ سے باقاعدہ تحصیل کی تھی، علوم ادبیہ میں بھی انہیں کمال حاصل تھا، عربی، فارسی، اردو کے پرگو شاعر اور نثار تھے، لسانیات پر گہری نظر تھی جیسا کہ ان کی تصنیفات شاہد ہیں، انگریزی زبان پر بھی خاصا عبور تھا جیسا کہ ان کی تصنیف کردہ ڈکشنریوں سے ظاہر ہے۔

حکیم صاحب سیمابی طبیعت رکھتے تھے، دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد ان کی غیر

معمولی ذہانت، حساسیت اور سیمابی طبیعت انہیں مختلف میدانوں میں لے گئی، ایک زمانہ تک کاروباری زندگی گذاری، جس کا ان کے ذہن ومزاج سے کوئی جوڑ نہ تھا، تجارت میں بڑے نشیب وفراز آئے، پھر حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی صحبت سے ان کی طبیعت میں قرار آیا، حضرت شاہ صاحب سے رابطہ وتعلق کی داستان وہ بہت مزے لے لے کر سناتے تھے، اس وقت ان پر ایک والہانہ کیفیت طاری ہوتی تھی، حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ نے انہیں جامعہ طبیہ دارالعلوم دیوبند میں تدریس کیلئے طلب فرمایا، حکیم صاحب کو یہ پیشکش قبول کرنے میں تامل تھا، کیونکہ انہوں نے طب کی باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی تھی۔ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے مشورہ کیا تو حضرت نے بڑے پُر جوش انداز میں فرمایا: اس پیشکش کو فوراً قبول کرکے دیوبند جائیں، انشاء اللہ تعالیٰ آپ ہر چیز بڑے اچھے انداز میں پڑھالیں گے۔

جامعہ طبیہ میں حکیم صاحب کا زمانۂ تدریس کافی طویل ہے، اپنے پیر کے حکم سے دیوبند گئے تو وہاں جم گئے اور طب کے تمام مضامین بڑی مہارت سے پڑھائے، ان کی تدریسی زندگی بڑی کامیاب گذری، ان کے شاگرد ان کے علم وفضل، اخلاق واخلاص کے قائل اور گرویدہ تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے پورے زمانۂ قیام میں حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب سے ان کا گہرا ربط وتعلق رہا، حکیم صاحب حکیم الاسلام کے اخلاق وشرافت، علم ومتانت، علم وفضل کے بہت قائل تھے اور لطف لے لے کر ان کے واقعات سناتے تھے۔

حکیم صاحب کی شخصیت سدا بہار تھی، اکثر مسکراتے یا ہنستے، کیسے بھی حالات ہوں پژمردہ اور دلگیر ہونے کے بجائے ہنستے ہنساتے، ان کی بذلہ سنجی اور زندہ دلی ہر حال میں قائم رہتی، بلبل ہزار داستان تھے، خوش رہتے اور چہچہاتے، حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کی آخری زندگی میں دارالعلوم دیوبند میں جو انقلاب آیا اور حضرت قاری صاحب کو جس طرح بے دخل کیا گیا اس سے حکیم صاحب بہت کبیدہ اور دلگیر تھے، حضرت قاری صاحب کی مظلومیت پر ان کا دل فگار تھا، اپنی گفتگو میں وہ اس کا برملا اظہار کرتے تھے لیکن ان حالات میں بھی ان کی بذلہ سنجی اور زندہ دلی برقرار رہی۔

اللہ تعالی نے انہیں تصنیفی سلیقہ بھی عطا فرمایا تھا، انہوں نے عربی فارسی کی متعدد کتابوں کے ترجمے کئے، متعدد طبی ڈکشنریاں لکھیں، ان کی تحریری و تصنیفی خدمات پر مفصل مضمون کی ضرورت ہے، انقلاب دارالعلوم دیوبند کے حادثہ میں ان کے متعدد قیمتی مسودات ضائع ہوگئے، جس کا انہیں بے حد ملال تھا، جب دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوری نے طبیہ کالج کو ختم کردینے کا فیصلہ کیا تو انہیں شیخ الہند اکیڈمی سے منسلک کردیا گیا، اس زمانہ میں انہوں نے اکیڈمی کی خواہش پر امام ابوحنیفہؒ کے حالات وکمالات پر ایک کتاب لکھی جو "مآثر امام اعظم" کے نام سے چھپی، یہ کتاب ان کی تاریخ نگاری اور اردو نثر نویسی کا منھ بولتا ثبوت ہے، اللہ تعالی ان کی ہمہ جہت خدمات کو قبول فرمائے اور جنت الفردوس میں اپنے مقبول بندوں کے ساتھ جگہ دے۔

حکیم صاحب مرحوم سے میرا تعلق برابر قائم رہا، جب بھی دیوبند حاضری ہوتی ان سے ملاقات ناگزیر تھی، بڑی شفقت سے ملتے اور علمی و تصنیفی کاموں کے بارے میں اچھے مشورے دیتے ۱۹۸۰ء میں احقر دارالعلوم ندوۃ العلماء آگیا، اس کے بعد سے ان سے ملاقات کے مواقع بڑھ گئے، وہ ہر سال متعدد بار اپنے برادر خورد حضرت مولانا سعید الرحمن الاعظمی دامت برکاتہم کے پاس ندوہ تشریف لاتے، مولانا موصوف کے مکان پر قیام فرماتے اور لکھنؤ آنے کے بعد اس حقیر کو بھی ضرور یاد فرماتے اور بڑی زندہ مجلسیں رہتیں، مخدوم گرامی حضرت مولانا سعید الاعظمی دامت برکاتہم کی فرمائش پر یہ سطریں لکھ رہا ہوں تو حکیم صاحب کی مجلسیں، ان کی پر لطف باتیں ایک ایک کرکے یاد آرہی ہیں لیکن وقت کی تنگی کی وجہ سے یہیں قلم روکتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالی حکیم صاحب مرحوم کی مغفرت کرے، ان کے درجات بلند کرے اور ان کی پس ماندگان متعلقین اور شاگردوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

ایک ہمہ جہت شخصیت

مولانا حکیم عزیز الرحمٰن اعظمی نوراللہ مرقدہ

مولانا حکیم عبدالحمید
(ناظم کتب خانہ دارالعلوم دیوبند)

حضرت مولانا حکیم عزیز الرحمٰن صاحب اعظمی سابق استاذ جامعہ طبیہ دارالعلوم دیوبند وسابق رفیق شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند ایک ایسی شخصیت کے مالک تھے جو اپنی ذات میں ایک انجمن تھے وہ ایک عالم، صوفی، شاعر، حکیم اور کہنہ مشق مدرس تھے۔

حضرت حکیم صاحب (جنہیں آج رحمۃ اللہ علیہ لکھنا پڑ رہا ہے) سے میرا تعارف ۱۹۶۷ء مطابق ۱۳۸۷ھ میں اس وقت ہوا جب میں نے دارالعلوم دیوبند سے درس نظامی سے فراغت کے بعد جامعہ طبیہ میں داخلہ لیا، اس وقت سے ۱۰ ستمبر ۲۰۰۹ء مطابق ۱۹ رمضان ۱۴۳۰ھ تک ۴۲ سال نیازمندانہ تعلق رہا جسے بیان کرنے کے لئے ایک کتاب درکار ہے۔

حکیم صاحب کا تقرر بحیثیت مدرس طب جامعہ طبیہ دارالعلوم میں ماہ اپریل ۱۹۶۳ء میں ہوا تھا اور تقریباً چھبیس سال تک جامعہ طبیہ میں پوری تندہی اور انہماک کے ساتھ درس دیتے رہے اور بحمداللہ مرحوم کا درس بہت مقبول رہا، جبکہ حکیم صاحب موصوف باضابطہ کسی طبی درسگاہ کے سند یافتہ نہیں تھے، لیکن یہ انعام خداوندی تھا جو انہیں اپنے مرشد حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ کی دعاؤں کی برکت سے حاصل تھا، جسکا اظہار مختلف طبی مضامین کی تدریس وتصنیف میں نمایاں نظر آتا تھا۔

۱۹۸۶ء میں جامعہ طبیہ دارالعلوم کے تحلیل ہو جانے کے بعد دارالعلوم کے تصنیفی، تالیفی

اور تحقیقی شعبہ شیخ الہند اکیڈمی سے وابستہ ہوکر تصنیفی، وتالیفی خدمات انجام دیتے رہے اور اکتوبر ۱۹۸۸ء مطابق ربیع الاول ۱۴۰۹ھ کو اکیڈمی سے بھی بوجہ کبرسنی سبکدوش کردئے گئے مگر احقر سے ہمیشہ استاذی وشاگردی کا تعلق برقرار رہا اور احقر نے حکیم صاحب کی خدمت کو اخلاقی فریضہ سمجھ کر انجام دیا اور حکیم صاحب کو جو وظیفہ کبرسنی دارالعلوم کی طرف سے ملتا رہا، اسے ۱۹۸۸ء سے ۲۰۰۹ء تک تقریباً بائیس سال تک دارالعلوم سے حاصل کرکے حکیم صاحب کی خدمت میں بھیجتا رہا اور اس خدمت کو بوجھ نہیں بلکہ باعث فخر سمجھتا رہا۔

حضرت حکیم صاحب نے ایسے خاندان میں تربیت پائی تھی جسکے خمیر میں تعلیم، دینداری، شرافت، ضیافت، وجاہت، خوردنوازی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔

حکیم صاحب موصوف کے والد ماجد حضرت مولانا محمد ایوب صاحبؒ اعظمی سابق شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل تھے جو محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کے رفقاء میں سے تھے اور آپ کے منجھلے بھائی مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب اعظمی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء و مدیر البعث الاسلامی لکھنؤ میں اور چھوٹے بھائی جناب ڈاکٹر مسیح الرحمٰن صاحب سابق پروفیسر نیشنل شبلی ڈگری کالج اعظم گڑھ ہیں۔

حکیم صاحب کے معلومات کا حال یہ تھا کہ روزانہ کم ازکم ایک منزل کلام پاک کی تلاوت کرتے اور دلائل الخیرات پڑھتے، میرا قیام حضرت حکیم صاحب کے حجرہ کے برابر تھا دیکھتا کہ تہجد پابندی سے پڑھتے تھے، پھر اشراق، چاشت اور نماز باجماعت بالخلوص دارالعلوم کی قدیم مسجد میں خواہ سردی ہو یا گرمی یا موسلا دھار بارش ہو مسجد میں حاضر ہوتے اسی طرح اگر کسی مجلس میں ہوتے اور نماز کا وقت ہوگیا تو اٹھ کر مسجد چلے جاتے چاہے کیسی ہی مجلس ہوتی۔

حکیم صاحب بعد میں نماز عشاء جلدی سوتے تھے تاکہ سحر خیزی میں رکاوٹ نہ ہو، ہاں دوپہر میں نہیں سوتے تھے بلکہ اپنے لکھنے پڑھنے کا کام کرتے رہتے تھے۔

حکیم صاحب چھوٹے بڑے سب سے خندہ پیشانی سے ملتے تھے اور سبھی کی خیر خواہی پیش نظر رکھتے تھے اور نیک مشورہ دیتے جسکی زندہ مثال خود احقر کی ذات ہے۔ ہوا یوں کہ جب

احقر جامعہ طبیہ دارالعلوم سے فارغ ہوا تو اسی سال حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم نے یہ تجویز منظور فرمائی کہ جو طالب علم جامعہ طبیہ کے آخری سال میں اول نمبر پاس ہوگا دارالعلوم اسے عملی مشق کے لئے ہاؤس فیزیشین رکھے گا اس سے طلبہ میں اچھا پیغام جائے گا اور اچھے طلباء تیار ہونگے، بحمداللہ احقر کے نام یہ قرعہ فال نکلا اور ہاؤس فیزیشین کے طور پر جامعہ طبیہ حاضر ہوا اتفاق سے اس سال حکیم محمد عمر صاحب سابق پرنسپل جامعہ طبیہ حج کے لئے گئے ہوئے تھے مزید برآں ایک استاذ کی جگہ خالی تھی، اسلئے چند اسباق بند چل رہے تھے۔ تو اس وقت احقر نے عبوری پرنسپل استاذی المکرم قبلہ ڈاکٹر شمیم احمد صاحب سعیدی کے کہنے پر قانونچہ وغیرہ کے اسباق پڑھائے، اس وقت نیابت اہتمام کے منصب پر حضرت مولانا معراج الحق صاحب فائز تھے انہوں نے ڈاکٹر صاحب موصوف سے فرمایا کہ عبدالحمید سے کہہ دو کہ پڑھاتا رہے اور مجلس شوری سے اسکی توثیق ہو جائے گی مگر احقر نے کہا کہ کچھ خانگی مجبوریاں ہیں جسکی وجہ سے دیوبند نہیں رہ سکتا اور وجہ یہ تھی کہ والد صاحب کا انتقال ہو گیا تھا اور احقر ہی گھر میں بڑا تھا اسلئے دیوبند رہنے میں پریشانی تھی چنانچہ میں نے انکار کر دیا تو دارالعلوم نے اخبار میں اشتہار دیا کہ دارالعلوم کو ایک مدرس طب کی ضرورت ہے جب حکیم صاحب کو یہ معلوم ہوا کہ دارالعلوم نے اشتہار شائع کیا ہے تو موصوف نے بلایا اور کہا کہ تم کیوں نہیں پڑھانا چاہتے؟ تو احقر نے مذکورہ وجہ بیان کی مگر حکیم صاحب نے مشفقانہ طور پر سمجھایا اور جب نہ مانا تو پدرانہ ڈانٹ پلائی اور ایک درخواست لکھ کر احقر کو تھمادی اور کہا کہ انٹرویو دو، جب یہ درخواست لیکر ڈاکٹر شمیم احمد صاحب کے پاس گیا تو بیحد خفا ہوئے اور فرمایا کہ جب بلا مقابلہ رکھے جا رہے تھے تب تو انکار کر دیا اور اب انٹرویو میں بیٹھو گے میں نے کہا: جی ہاں تو فرمانے لگے چلو درخواست دو اور قسمت آزمائی کرو، چنانچہ انٹرویو دیا جسمیں اٹھارہ طلباء شریک ہوئے بحمداللہ میں کامیاب ہوا، یہ ۱۹۷۲ء کا واقعہ ہے اس وقت سے ۱۹۸۶ء تک تدریسی خدمات انجام دی اور ۱۹۸۶ء میں جامعہ طبیہ کے تحلیل ہونے کے بعد ناظم کتب خانہ کی حیثیت سے خدمت انجام دے رہا ہوں مادرِ علمی سے یہ تعلق حکیم صاحب کے نیک مشورہ و دعا کا اثر ہے۔

حکیم صاحب کی مہمان نوازی کا یہ عالم تھا کہ دارالعلوم کی معمولی تنخواہ کے باوجود انکا اسٹو صبح سے شام تک بہت کم بجھتا تھا، کھانے یا چائے سے تواضع ہوتی رہتی تھی، وعربی کی کہاوت تو پڑھی تھی کثیر الرماد یعنی جسکے زیادہ چولھا جلنے کی وجہ سے راکھ کا ڈھیر ہو، اسکے سخاوت کی نشانی ہوتی تھی لیکن اس جدید دور میں حکیم صاحب کا اسٹو دیکھکر یہ کہاوت یاد آتی تھی اور پڑوس کی وجہ سے احقر بھی گاہے بگاہے مستفید ہوتا رہتا تھا۔ حکیم صاحب موصوف نے دارالعلوم سے چلے جانے کے بعد احقر سے بیان فرمایا کہ دارالعلوم سے آنے کے بعد محلہ کی مسجد کا بجلی کا بل میں ادا کرتا ہوں اور حضرت والا قاری محمد مبین صاحب داماد مرشدی حضرت شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ہر مہینہ کچھ رقم بھیجتا رہتا ہوں جبکہ مدرسہ کا وظیفہ کبرسنی شروع میں چار سو اور انتقال کے وقت سات سو بیس روپے تھا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حکیم صاحب کی شخصیت کس صفت قلندری سے آراستہ و پیراستہ تھی۔

میں نے خاندانی صفت اسلئے بیان کی ہے کہ احقر کی حاضری ندوۃ العلماء لکھنو میں برادر عزیز مولانا محی الدین محمد طیب سلمہٗ کی دور طالب علمی میں ہوئی اور ساتھ میں مولانا ابوالعاص صاحب وحیدی بھی تھے اس وقت قبل حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہمان ہوئے اور خوردنوازی کا منظر دیکھا اور پھر کچھ عرصہ کے بعد جناب ڈاکٹر مسیح الرحمٰن صاحب سابق پروفیسر شبلی کالج اعظم گڑھ سے ملاقات پر اس کا تجربہ ہوا اللہ تعالیٰ نے اس خاندان کو دینی، علمی، و دینوی وجاہت سے نوازا ہے۔

رجال سازی:

حکیم صاحب کے اندر اللہ رب العزت نے ایک خاص وصف یہ بھی رکھا تھا کہ آپ اپنے مخاطب سے مل کر اس کی افتادِ طبع کا احساس کر لیتے تھے، اور جو جس طبیعت اور مزاج کا حامل ہوتا تھا اسے اپنے مفید مشوروں سے اسی طرح کے مشغلوں سے وابستہ کر دیتے تھے۔ ایسے کتنے حضرات اس وقت میرے سامنے ہیں جنہیں حکیم صاحب نے قلم پکڑنا سکھایا اور کتنے ایسے ہیں جنکو انکے مشوروں اور صحبتوں سے مہمیز ہوئی اور صاحب تصانیف کثیرہ ہو گئے

اور اس مختصر تحریر میں اس وقت صرف ایک نام پیش خدمت ہے وہ ہیں جناب مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی استاذ تجوید وقرات دارالعلوم دیوبند جنکی ۸۰ سے زیادہ کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔

ایک صاحب قلم شخصیت: حکیم صاحب جب سے جامعہ طبیہ دارالعلوم تشریف لائے تھے اس وقت سے تدریسی کام کے ساتھ ساتھ تصنیفی وتالیفی کام کرتے رہے، چنانچہ کچھ قلمی کاوشیں انکی اس طرح ہیں، ''مآثر امام اعظم''، ''طب نبوی''، ''امراض صدریہ''، ''وصی میڈیکل انگلش اردو ڈکشنری''، ''سنگم'' کے نام سے اردو، عربی، انگریزی ڈکشنری، ''سوانح فراہی''، ''سوانح عطار''، ''سوانح ابوہریرہ''، ''کتاب الرحمہ''، ''شاداب افریقہ'' اور بہت سی غیر مطبوع کتابیں اور مسودے یادگار ہیں، جنہیں باری تعالیٰ مرحوم کیلئے صدقہ جاریہ بنائے، (آمین)

موت سے کس کو رستگاری ہے　　آج وہ، کل ہماری باری ہے

حضرت حکیم صاحب کی کمی کا احساس جہاں گھر والوں اور متعلقین کو ہوگا وہیں انکی رحلت سے احقر کا ذاتی نقصان یہ ہوا کہ ایک مشفق ومخلص مربی سے محروم ہوگیا، احقر کو حضرت حکیم صاحب کی مخلصانہ ومربیانہ دعائیں تادم واپسیں یاد رہیں گی۔

موصوف کا انتقال ۱۹ رمضان ۱۴۳۰ھ مطابق ۱۰ ستمبر ۲۰۰۹ء بروز جمعرات دن میں آٹھ نو بجے کے درمیان ہوا اور اسی روز بعد نماز عشاء تجہیز وتکفین ہوئی اور نماز جنازہ حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند نے پڑھائی۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

ایک روشن دماغ تھا، نہ رہا!

مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی
(ناظم جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سپول)

ڈھونڈو گے ہمیں ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
تعبیر ہو جسکی حسرت وغم اے ہم نفسو وہ خواب ہیں ہم

موت ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کسی بشر کو انکار نہیں، لیکن اس دنیا سے جانے والی کچھ ہستیاں ایسی ہوتی ہیں جن کے گذر جانے سے امت میں ایک بڑا خلا محسوس کیا جاتا ہے، ایک عظیم نقصان تصور کیا جاتا ہے، ان کے کارنامے امت کیلئے ہمیشہ نفع بخش ہوتے ہیں، انہیں ہستیوں میں سے ایک مولانا حکیم عزیز الرحمٰن اعظمی صاحب کی ذات تھی جواب ہمارے بیچ نہیں رہی، مگر ان کی یادیں ہمیشہ ہمارے دلوں میں باقی رہیں گی اور ہمارے دلوں سے ان کیلئے دعائیں نکلتی رہیں گی۔

حضرت مولانا حکیم عزیز الرحمٰن اعظمی صاحب القاسمی سابق استاذ و پرنسپل جامعہ طبیہ دارالعلوم دیوبند، محدث کبیر حضرت مولانا محمد ایوب صاحب اعظمیؒ سابق شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل گجرات کے جگر گوشہ اور شیخ الادب حضرت مولانا سعید الرحمٰن صاحب اعظمی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے برادر اکبر تھے۔ آپ مصلح امت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتح پوری خلیفہ مجاز حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ ومجاز اور کتب کثیر کے مصنف تھے، آپ کی وفات کی خبر اس وقت ہوئی، جب راقم الحروف لندن کے سفر میں تھا۔ دوران سفر ''تعمیر حیات'' پر اچانک میری نظر حضرت مولانا سعید الرحمٰن اعظمی مہتمم ندوۃ العلماء کے اس چھوٹے سے مضمون پر پڑی جس کو مطالعہ کرنے کے بعد پتہ چلا

کہ حضرت مولانا حکیم عزیز الرحمٰن صاحب قاسمی اس دنیائے فانی سے رحلت فرما چکے "انا للہ وانا الیہ راجعون" اس خبر کو پڑھتے ہی دل کو ایک چوٹ سی لگی، ایک عجیب سا احساس ہوا، مگر فوراً دل کو یہ کہہ کر تسلی دی کہ قدرت کا یہ نظام ہے کہ جو اس دنیا میں آیا ہے اس کو اپنے مالک حقیقی کی طرف لوٹ کر جانا ہوگا۔

حضرت حکیم صاحب مرحوم سے بارہا میری ملاقات ہوتی رہی ہے، پہلی بار حاجی مستحسن صاحبؒ متولی جامع مسجد دیوبند کے ساتھ ہوئی، حضرت حکیم صاحبؒ نے مجھے اپنی دعاؤں سے نوازا، میری دوسری ملاقات اس وقت ہوئی جب حضرۃ الأساتذہ صاحبزادہ حکیم الاسلام مولانا محمد اسلم صاحب قاسمی کا اکسیڈنٹ ہوگیا تھا اور میں ان کی عیادت کیلئے گیا تھا، ابھی تھوڑی دیر بیٹھا ہی تھا کہ حضرت حکیم عزیز الرحمٰن صاحب بھی تشریف لائے اور حضرت مولانا محمد اسلم صاحب سے کافی دیر تک باتیں ہوتی رہیں، اسی دوران حضرت مرحوم نے مجھ سے بھی بڑی محبت وشفقت سے مختلف موضوعات پر باتیں کیں اور اپنے گراں قدر مشوروں سے نوازا اور ڈھیر ساری دعائیں بھی دیں۔ حکیم مرحوم مولانا محمد حسین صاحب ملا بہاری محدث دارالعلوم دیوبند سے بڑی محبت رکھتے تھے، لہٰذا ان سے اکثر ملنے جایا کرتے تھے، چنانچہ میری تیسری ملاقات مولانا محمد حسین بہاریؒ صاحب کی محفل میں ہوئی، اسی طرح چوتھی ملاقات حضرت مولانا قاری عبدالحمید ندوی کی مجلس دبئی میں ہوئی اور پھر اس طرح ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا اور اس وقت سے شیخ الادب حضرت مولانا سعید الرحمٰن اعظمی کے لطف وکرم اور شفقت میرے نزدیک سرپرست کی سی ہوگئی تھی۔ چنانچہ جب ان کی معرکۃ الآراء وضخیم سہ لسانی ڈکشنری "سنگم" شائع ہوئی تو مجھے بے پناہ خوشی ہوئی اور میں نے وہ پورا سیٹ حاصل کیا اور اپنے احباب کو بھی اس طرف متوجہ کیا کہ وہ بھی اس عظیم علمی تحفہ کو حاصل کریں۔

جامعہ طبیہ دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات کے زمانے میں حکیم عزیز الرحمٰنؒ نے سب سے پہلے ایک کتاب "امراض صدر" کے نام سے تصنیف کی، اس کتاب کو خاص وعام میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ دارالعلوم دیوبند کے اجلاس صد سالہ کے بعد جو بدترین صورت

حال پیدا ہوگئی تھی، ان حالات کے پیش نظر حضرت مرحوم چند دنوں کے لئے گھر تشریف لے آئے اور اپنی تصانیف کے بہت سارے مسودے اور عربی، فارسی اور اردو کلام کے بکھرے ہوئے اوراق چھوڑ کر آگئے تھے، کمرہ چونکہ شورش پسندوں کے نرغے میں تھا۔ سوء اتفاق ۲۳/مارچ ۱۹۸۳ء کو شورش پسندوں نے دارالعلوم پر قبضہ کرلیا اور متعدد اساتذہ کرام کے کمرے کا تالا توڑ کر سامان درہم برہم کردیا جس کی وجہ سے حضرت مرحوم کے تقریباً پانچ مسودے ضائع ہوگئے۔

علمی انحطاط کے اس دور میں کسی ایسے عالم کا وجود مثل کوہ نور ہے جو مدارس کے مروجہ علوم کے ساتھ ساتھ عصری علوم میں بھی دسترس رکھتا ہو، شعر وادب کے ذوق کے ساتھ ساتھ مسند تدریس پر بھی جلوہ افروز ہو، قلم وقرطاس سے سروکار بھی رکھتا ہو اور مضامین وتصانیف کے انبار بھی لگاتا رہا ہو، بلاشبہ حکیم عزیز الرحمٰن صاحب کی مثال اسی کوہ نور جیسی تھی۔ حضرت مرحوم کی تصانیف کی تعداد تقریباً دو درجن سے بھی زائد ہے، حضرت کتابیں لکھتے رہتے تھے مگر اس کی طباعت واشاعت کی فکر بالکل نہیں کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کی بیشتر کتابیں اب بھی غیر مطبوعہ ہیں۔

حضرت حکیم عزیز الرحمٰن ایک دینی اور علمی گھرانے میں پیدا ہوئے، آپ کے والد بزرگوار اپنے عہد کے ایک ممتاز ونامور عالم دین، علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے ممتاز شاگرد اور مشہور شیخ الحدیث تھے، ان کی پوری عمر حدیث نبوی کے درس وتدریس میں گزری۔ حضرت حکیم صاحبؒ نے بھی قدیم درسگاہوں میں اپنی علمی پیاس بجھائی اور اکابر علماء سے فیض اٹھاتے رہے، ان کی ہمت عالی نے ان کو کسی خاص دائرے میں محدود نہیں رکھا، انہوں نے تمام علوم وفنون میں دسترس حاصل کی اور طب وحکمت میں بھی مہارت تامہ حاصل کی۔

حکیم صاحبؒ علمی دینی موضوعات پر کئی بلند پایہ کتابیں لکھیں، ان کے علاوہ طب پر متعدد مفید کتابیں بھی تحریر فرمائی جو رہتی دنیا تک لوگوں کے لئے نفع بخش ہے۔ اللہ رب العزت امت مسلمہ کو حضرت کی تصنیفات سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کی توفیق دے۔ میری دعا ہے کہ اللہ

تعالیٰ حضرت حکیم صاحبؒ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور صاحبزادے ودیگر پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، بطور خاص محسن ومربی حضرت مولانا سعید الرحمٰن اعظمی کو صبر عطا کرے جوان کے چھوٹے بھائی تھے۔ حضرت مولانا سعید الرحمٰن اعظمی مرحوم کے علم وفضل کے قائل تھے اور اکثر مجلسوں میں اس کا ذکر فرماتے، اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک بھائی نے ام المدارس دار العلوم دیوبند کی خدمت انجام دی تو دوسرے بھائی علماء واہل مدارس کے آرزوں کا مرکز دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کو اپنے علم وخرد سے سیراب کر رہے ہیں جب کہ ان دونوں کے والد حضرت مولانا محمد ایوب اعظمیؒ نے جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل میں رہ کر مسند حدیث کو عرصے تک روشنی بخشی، چنانچہ اس مثلث کے علمی ودینی کارناموں کو امت کبھی فراموش نہیں کرے گی۔ اللہ سے دعا ہے کہ مرحومین کو اس کا بہترین بدلہ دے اور برسر خدمت حضرت مولانا سعید الرحمٰن اعظمی کو قوت وصحت عطا کرے کہ وہ علم وادب کی خدمت انجام دیتے رہیں۔ حضرت اقدس کے سایہ عاطفت کو پوری امت پر تادیر عافیت سے قائم رکھے۔ آمین

تنکا چن چن محل بنایا سب کہے گھر ہمارا
نہ گھر میرا نہ گھر تیرا چڑیا کریں بسیرا

(ماہنامہ معارف قاسم جدید ۲۰۰۹ء)

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل.....

مولانا شمس تبریز خاں

(پروفیسر شعبہ عربی ادب لکھنؤ یونیورسٹی)

ماضی قریب تک ہمارے بڑے مدارس کے نصابِ تعلیم میں بڑی وسعت وجامعیت ہوتی تھی، جس کے نتیجے میں ان کے علماء وفضلاء کی علمی سطح بھی بہت بلند، ان کا ذہنی افق بہت وسیع اوران کی شخصیت بہت جامع اور متنوع ہوتی تھی، وہ علوم دینیہ کے ساتھ علومِ دنیویہ سے بھی آگاہ ہوتے تھے اور معاشرے کے ہر طبقے کی رہنمائی کے اہل ثابت ہوتے تھے اور معاشرے میں ان کی اہمیت وضرورت محسوس کی جاتی تھی۔ ایسے ہی علماء میں ایک جید عالمِ واہلِ قلم، حضرت مولانا حکیم عزیز الرحمٰن اعظمیؒ بھی تھے جنہوں نے لمبی عمر پا کر گذشتہ رمضان کے اخیر عشرے میں داعیٔ حق کو لبیک کہا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا حکیم عزیز الرحمٰن صاحبؒ مئو (اعظم گڑھ) کے ایک علمی گھرانے کے فرد تھے، ان کے والد ماجد بھی فاضلِ دیوبند تھے اوران کے برادر خورد عربی کے ممتاز ادیب وخطیب مشہور ندوی فاضل، جناب مولانا سعید الرحمٰن صاحب اعظمی مدظلہ (مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) ہیں۔

حکیم صاحبؒ نے دارالعلوم دیوبند سے فضیلت کے بعد طب یونانی کی تحصیل کی اوردارالعلوم میں جامعہ طبیہ کے قیام کے بعد وہاں طب یونانی کی تعلیم وتدریس کیلئے بلائے گئے، اورعرصہ تک اس کے اسٹاف میں شامل رہے، فن طبابت ان کا ایک ضمنی وذیلی شوق تھا، اصلاً وہ علم وادب کے آدمی تھے، مطالعہ بہت وسیع تھا اور حافظہ بھی اچھا تھا، جس کی وجہ سے کتابوں کے حوالے زبانی طور سے بھی دیتے تھے، اردو، فارسی اور عربی ادبیات سے بخوبی واقف تھے اوران تینوں زبانوں میں برجستہ شعر کہتے تھے، اورنجی محفلوں میں سناتے تھے، ذاتی مطالعہ سے انگریزی کی استعداد بھی پیدا کرلی تھی اوران علمی وادبی کمالات کے ساتھ باطنی وروحانی فضائل سے بھی

آراستہ تھے، روحانی تربیت وتزکیہ کے لئے انہوں نے حضرت حکیم الامتؒ کے خلیفہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب اعظمی ثم الہ آبادی سے بیعت کی اور غالباً ان کے مجازِ صحبت ہوئے۔

تھانوی سلسلہ سے وابستگی کے سبب حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ (سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند) سے بھی خاص تعلق تھا، دارالعلوم میں مولانا سید اسعد مدنیؒ کے ذریعے تبدیلیٔ قیادت کے بعد بھی وہ علانیہ طور پر مولانا طیب صاحبؒ کے ساتھ رہے، اہتمام دارالعلوم میں تبدیلی کے بعد بھی دارالعلوم سے ان کی وابستگی جن لوگوں کے لئے باعث تعجب تھی ان سے حکیم صاحب یہی کہتے تھے کہ میں اپنے مرشد کے حکم سے دارالعلوم آیا تھا اور انہیں کے حکم سے جاسکتا تھا، اب خود سے مستعفی نہیں ہوسکتا۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے ان کے استاذ حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ کی بیعت کا وہی ذریعہ بنے تھے، جو تاریخ تصوف کا ایک نادر واقعہ ہے کہ ایک علامۂ دوراں اور استاذ زمانہ اپنے شاگرد کا مرید اور اس کا روحانی شاگرد ہوجائے، حکیم صاحبؒ کی ایک ادائے خاص یہ بھی تھی کہ روحانی کمالات کا کوئی اظہار نہیں کرتے تھے اور ہر ایک سے ہنسی مذاق اور تفریحی باتیں کرتے تھے اور سب کے ساتھ گھل مل کر رہتے تھے، سادہ کرتا پاجامہ پہنتے اور شروانی کا شاید ہی کبھی استعمال کرتے تھے، جس مجلس میں ہوتے، وہ ان کے دَم سے باغ و بہار بن جاتی تھی اور وہ میرِ مجلس اور رونق محفل ثابت ہوتے تھے۔

ان کی کئی کتابیں اور ترجمے شائع ہوئے اور ان کے بہت سے مسودات غیر شائع شدہ ہیں، حضرت ابوہریرہ پر انہوں نے بہت عمدہ کتاب لکھی تھی اور حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے بعض رسائل کا ترجمہ کیا تھا، شیخ محمد ناصر العبودی کے سفرنامہ ''افریقیا الخضراء'' کا اردو ترجمہ (شاداب افریقہ) بھی بہت عمدہ ترجمہ تھا، ''سنگم ڈکشنری'' کے نام سے انہوں نے اردو عربی اور انگریزی کی سہ لسانی ضخیم لغت شائع کی جو علمی حلقوں میں بہت مقبول ہوئی، ''لغات حدیث'' پر ان کا مسودہ اشاعت کے مراحل میں ہے، ان کی اور کتابوں میں ''مآثر امام اعظمؒ'' ''طب نبوی'' اور ''وصی میڈیکل ڈکشنری'' وغیرہ بھی ہیں۔

حکیم صاحبؒ اپنے چھوٹوں اور نوجوانوں کے ساتھ بہت شفقت ومحبت سے پیش آتے تھے اور ان کی رہنمائی وہمت افزائی کرتے تھے، دارالعلوم دیوبند کے طبیہ کالج میں جب تشریف

لائے تو میری طالب علمی کا زمانہ تھا اور میں صوبہ بہار کے قلمی ترجمان ''البیان'' کا مدیر تھا، جسے طلبہ کے ساتھ اساتذہ بھی دلچسپی سے پڑھتے تھے، غالباً حکیم صاحبؒ کی نظر بھی اس رسالے اور میری تحریروں پر پڑی تھی جس کی وجہ سے ان کی نظر عنایت مجھ پر ہوئی، اس کے علاوہ مولانا ازہر شاہ قیصر مرحوم کی عنایت سے رسالہ ''دارالعلوم'' میں میرے مضامین اور تبصرے بھی شائع ہونے لگے تھے جو حکیم صاحبؒ کی نظر سے گزرتے تھے۔

دارالعلوم میں مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مدظلہ کے یہاں اور کبھی کبھی کتب خانہ دارالعلوم میں حکیم صاحبؒ سے ملاقاتیں رہتی تھیں اور ازراہ کرم کبھی کبھی وہ میرے کمرے پر بھی تشریف لاتے اور چائے نوش فرماتے تھے جو ایک طالب علم کی بڑی عزت افزائی تھی، جو حکیم صاحبؒ جیسے بڑے اور مخلص لوگ اپنے چھوٹوں کی کرتے ہیں۔ جب میں مجلس تحقیقات ونشریات اسلام ندوہ کا رفیق ہوکر لکھنؤ آگیا تو مکارم نگر کی مسجد سے ملحق میری قیام گاہ پر بھی تشریف لاتے اور اپنی وضع داری نبھاتے تھے اور جناب مولانا سعید الاعظمی کے یہاں مجھے مدعو کرکے ہم طعامی سے نوازتے تھے۔

دارالعلوم الاسلامیہ بستی کے بانی وصدر اور مدرسہ امدادیہ مرادآباد کے مہتمم حضرت مولانا محمد باقر حسین صاحب مدظلہ اور مدرسہ کے دیگر ارکان سے بھی تعلق رکھتے تھے اور گاہے بگاہے بستی ومرادآباد بھی تشریف لاکر اپنی علم دوستی کا ثبوت دیتے تھے، حکیم صاحبؒ نے اپنی علمی استعداد کا زیادہ تحریری مظاہرہ نہیں کیا، مگر نوجوانوں کی تعلیم وتربیت کی طرف خاص توجہ کی اور اپنے اخلاص ودینداری، حسن اخلاق، علمی مزاج اور تقویٰ وروحانیت سے لوگوں کو بہت فیض پہنچایا اور ان کے انتقال پُرملال سے علمی ودینی اور روحانی حلقوں میں جو جگہ خالی ہوئی ہے وہ عرصہ تک بھرتی نظر نہیں آتی ہے۔

اخیر میں ہم ان کے برادران جناب مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب اعظمی ندوی، ڈاکٹر مسیح الرحمٰن اعظمی صاحب، ان کے بھانجے مولانا اقبال صاحب مدنی، ان کے صاحبزادے مولوی محمد طیب سلمہ اور ان کے تمام اعزہ سے دلی تعزیت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ حکیم صاحبؒ کی مغفرت فرماکر انہیں اعلیٰ علیین میں اپنے قرب خاص سے نوازے۔

(دوماہی فکر اسلامی، بستی ستمبر، واکتوبر ۲۰۰۹ء)

حضرت مولانا حکیم عزیز الرحمٰن اعظمی
کی طبی وعلمی خدمات

مولانا اقبال احمد اعظمی ندوی مدنی
(مہتمم معہد الفردوس الرحمانی، لکھنؤ)

اس عالم رنگ وبو میں بے شمار مایہ ناز عظیم شخصیتوں نے جنم لیا اور اپنے علم وفن کی روشنی پھیلا کر عالم جاودانی کی طرف رخصت ہوگئیں، انہیں نابغۂ روزگار ہستیوں میں ایک ایسی شخصیت کا نام بار بار زبان پر آرہا ہے، جس نے علم وحکمت کی دنیا کا سفر کر کے اپنا نام روشن کیا اور طب یونانی میں ایک مقام حاصل کیا، اس شخصیت کا نام نامی اسم گرامی حضرت مولانا حکیم عزیز الرحمٰن اعظمیؒ ہے، جنہوں نے ایسے علمی خانوادے میں ۱۹۱۹ء میں آنکھیں کھولیں جس میں علماء، صلحاء، اتقیاء موجود تھے، اگر ہم ایک صدی قبل خاندانی منظر نامہ پر نظر ڈالیں تو بخوبی معلوم ہوجائے گا کہ حکیم صاحبؒ کے خاندان کے ایک صاحب نسبت بزرگ حضرت مولانا عصمت اللہ بختاور گنجی جو حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ کے اکثر رفیق سفر رہے اور ندوۃ العلماء کی تاسیس کے موقع پر مولانا مونگیریؒ کے ساتھ تھے، یہی نہیں، بلکہ حکیم صاحبؒ کے دادا مولانا محمد صابر صاحبؒ ایک ولی کامل تھے، جنکی علمی شہرت اور بزرگی پورے علاقہ میں مشہور تھی اور دور دراز سے لوگ انکی زیارت کو آتے اور استفادہ کرتے اور فیضیاب ہوتے تھے۔

ایک طرف تو یہ خاندان علماء، صلحاء واتقیاء کا تھا تو دوسری طرف حکیم صاحب کے والد بزرگوار محدث جلیل شیخ الحدیث مولانا محمد ایوب اعظمیؒ (جنہوں نے ہزارہا طالبانِ علوم نبوت کو علم حدیث سے سیراب کیا جو آج مختلف ملکوں علاقوں میں علوم حدیث کی خدمت کے فرائض

دے رہے ہیں اور تصنیف وتالیف میں مشغول ہیں) کے زیر سایہ گھر کی چہار دیواری میں صاحبؒ کی ابتدائی تعلیم کا آغاز ہوا، لیکن کچھ ہی دنوں بعد قریب کے ایک مدرسہ (مدرسہ) میں داخل کر دیا گیا، جہاں درجہ چہارم مکتب تک کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مئوناتھ ن کے معروف ومشہور مدرسہ جامعہ مفتاح العلوم مئو میں ۱۹۳۵ء تک تعلیم حاصل کرتے رہے، پھر والد معظم نے حکیم صاحبؒ کی ذہانت وفطانت کو دیکھتے ہوئے ہندوستان کی مشہور مرکزی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کی طرف اعلیٰ تعلیم کیلئے روانہ کیا، اور ۱۹۳۶ء سے ۱۹۳۸ء تک وہاں کے مایہ ناز اساتذۂ علم وفن سے استفادہ کیا اور انکے فیض تربیت میں اپنی علمی پیاس بجھاتے رہے اور اپنے ہم عصر ورفیق درس میں ممتاز ونمایاں رہے، تعلیم مکمل کرنے کے بعد اپنے وطن مئو واپس آ گئے، یہاں بھی چین وسکون سے نہ بیٹھ سکے، بلکہ اپنے تعلیمی مشن کو جاری رکھتے ہوئے مختلف امتحانات دیئے، چنانچہ ۱۹۴۰ء میں عالمیت کا امتحان فرسٹ ڈویژن سے پاس کیا اور ۱۹۴۲ء میں فاضل ادب اور اسی سال اردو اعلیٰ قابلیت سے سرفراز ہوئے۔

حکیم صاحبؒ کی عربی صلاحیت کے ساتھ ساتھ فارسی زبان وادب پر گہری نظر تھی، اسی لئے جب ۱۹۴۳ء میں منشی اور ۱۹۴۴ء میں کامل کا امتحان دیا تو ممتاز نمبروں سے کامیابی حاصل کی۔

حکیم صاحبؒ شروع ہی سے کئی زبانوں کو پڑھتے اور اسکو علمی جامہ پہناتے اور فرماتے کہ اللہ تعالیٰ تمام زبانوں کا خالق ہے، اس لئے حتی الوسع جتنی زبانیں انسان سیکھ سکتا ہے، اس نیت سے سیکھنا چاہئے کہ لوگوں تک اسلام کے پیغام کو پہونچائیں، اسی کے پیش نظر حکیم صاحبؒ نے ۱۹۵۰ء میں ہائی اسکول اور ۱۹۵۲ء میں انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کیا۔

اسی اثناء تدریسی فرائض بھی انجام دیتے رہے اور ۱۹۴۲ء کے وسط میں ضلع رنگ پور سید پور پاکستان میں گورنمنٹ اسکول میں بحیثیت مدرس تقرر ہو گیا، لیکن وہاں کی آب وہوا حکیم صاحب کو راس نہ آئی اور طبیعت خراب ہوگئی جس کے باعث استعفیٰ دیکر واپس وطن آ گئے اور چند ہی دن بعد ۱۹۴۳ء میں مدرسہ رحمانیہ ضلع بلیا سے صدر مدرس کا پروانہ ملا اور آپ وہاں تشریف لے گئے اور جب تک وہاں رہے، اپنے فرائض کو انجام دیتے رہے، لیکن چونکہ گھر

سے اچھی خاصی مسافت تھی اور سواری کا نظم بھی معقول نہ تھا، اس لئے والد صاحب کے مشورے سے مئو کے قدیم کالج ڈی، اے، وی، میں بحیثیت استاد مقرر ہو گئے اور مسلسل آٹھ سال ۱۹۵۲ء تک تدریسی فرائض انجام دیتے رہے اور طلباء میں بے حد مقبول تھے۔

حکیم صاحبؒ کی زمانہ کے نبض پر بھی نظر تھی، اس لئے انہوں نے اپنے کو تجارت کے پیشہ کیلئے آمادہ کیا اور ۱۹۵۲ء میں ایک میڈیکل اسٹور قائم کیا، اور یہ سلسلہ ۱۹۶۱ء تک چلتا رہا، پھر حکیم صاحبؒ کی نظر انتخاب ایک ولی کامل حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوری پر پڑی چنانچہ وہ خدمت میں حاضر ہوئے اور رفتہ رفتہ شیخ کے گرویدہ ہو گئے اور پھر اکثر و بیشتر شیخ کی خدمت میں رہنے لگے کہ اسی اثناء دار العلوم دیوبند میں جامعہ طبیہ کی بنیاد رکھی گئی اور اس میں اس وقت طب یونانی کے اساتذہ کی ضرورت تھی، شیخ وقت حضرت مولانا وصی اللہ صاحب فتحپوریؒ نے حکیم صاحب سے کہا کہ جاؤ، جامعہ طبیہ میں جا کر پڑھاؤ، حکیم صاحبؒ نے کہا: میں نے طب پڑھا نہیں، لیکن شیخ بضد ہو گئے اور کہا: جاؤ پڑھاؤ پڑھا لوگے اور پڑھاتے رہو گے، بلکہ اپنے ہم عصر اساتذہ سے فائق رہو گے چنانچہ شیخ نے حکیم صاحبؒ کے سر پر دستِ شفقت پھیرا اور جامعہ طبیہ دار العلوم دیوبند کی طرف روانہ کر دیا اور وہاں بحیثیت تشریح الاعضاء استاد مقرر ہو گئے، یہ زمانہ ۱۹۶۲ء کا تھا، اسی سال حکیم صاحبؒ نے احتیاطاً فاضل طب کا امتحان بھی پاس کر لیا، تاکہ قانونی رکاوٹ نہ رہے، یہ حضرات قوانین وضوابط کی حد درجہ پابندی کرتے تھے اور ۱۹۶۲ء سے ۱۹۸۹ء تک مکمل ۲۸ رسال تشریح الاعضاء کے استاد رہے اور شیخ کی دعاؤں سے مایہ ناز استادوں میں شمار ہوا، طلبائے جامعہ حکیم صاحبؒ سے غایت درجہ محبت رکھتے اور ہمیشہ حکیم صاحبؒ کے اردگرد ان کا ہجوم رہتا، ان کے شاگردوں میں سے کبھی کسی سے ملاقات ہوتی ہے تو حکیم صاحبؒ کا بہت محبت واحترام وعزت سے نام لیتے اور انکی شفقتوں، محبتوں اور عنایتوں اور مہمان نوازی کا ذکر کئے بغیر نہیں رہتے ہیں۔

میں بھی جب تک دار العلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کرتا رہا، ناشتہ حکیم صاحبؒ (بڑے ماموں جان) کے کمرہ میں ہی کرتا تھا، اس زمانہ میں غالباً خیر آباد ضلع مئو کے ایک طالب علم

ابراہیم نامی تھے، جو صبح صبح ناشتہ تیار کردیتے تھے (جزاہ اللہ خیر الجزاء) اور میرے علاوہ کئی طالب علم حضرت حکیم صاحبؒ کے دسترخوان پر ناشتہ میں ہوتے تھے، اور عصر بعد طلباء کا ہجوم حکیم صاحبؒ کے اردگرد ایسا ہوتا جیسے شمع پر پروانہ، اس سے حکیم صاحبؒ کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے، واقعی حکیم صاحبؒ فن طب کے امام تھے، جس کی وجہ سے طلباء واساتذہ کی صفوں میں مقبول ومحبوب تھے، حکیم صاحبؒ ۱۹۸۹ء میں جب طبیہ کالج دیوبند سے ریٹائرڈ ہوئے تو اپنے وطن مئو ناتھ بھنجن واپس آگئے اور اپنے دولت کدہ پر ہی قیام پذیر ہوگئے، جہاں اساتذہ ،طلباء، علماء، مشائخ اور مریضوں کا ہجوم ہوتا۔ اللہ نے حکیم صاحبؒ کے ہاتھ میں شفا رکھی تھی، اس طرح دور دراز علاقہ میں انکی حکمت وطبابت کی شہرت عام ہوگئی اور ہر وقت انکی مجلس لگی رہتی، ایک طرف تو مریضوں کا جسمانی علاج کرتے تو کچھ لوگ روحانی علاج کیلئے بھی تشریف لاتے، اس طرح حکیم صاحبؒ کی مجلس میں علمی تاریخی، طبی گفتگو ہوتی، اور مختلف زاویوں سے مجلس بہت دلچسپ ہوتی تھی، انکی مجلس میں حاضر ہوکر کبھی ضیق وتنگی محسوس نہیں ہوتی تھی، بلکہ طبیعت میں ایک طرح کا انبساط ہوتا اور جی چاہتا کہ دیر تک حکیم صاحبؒ کی علمی باتیں سنتا رہوں، میں جب بھی لکھنؤ سے جاتا، حکیم صاحبؒ (بڑے ماموں جان) تپاک سے ملتے اور دیر تک سینے سے لگائے رکھتے اور میرے ساتھ ہمیشہ شفقت ومحبت فرماتے، الہ العالمین! انکی قبر کو نور سے بھردے۔

حکیم صاحبؒ اور عشق رسول اللہ ﷺ:

حکیم صاحبؒ کو حضور ﷺ سے غایت درجہ کا عشق تھا، اور ہمیشہ سنت نبویؐ کے مطابق عمل کرتے تھے، چنانچہ حکیم صاحبؒ کا روزانہ کا معمول تھا کہ سوتے وقت سرمہ لگا کر داہنے کروٹ سوتے، یہی وجہ ہے کہ اخیر عمر تک حکیم صاحبؒ کی بینائی سلامت رہی، چشمہ کی کبھی ضرورت نہ پڑی اور باریک سے باریک عبارت والفاظ کو پڑھ لیتے اور لکھ لیتے، اسی طرح مسواک کا التزام تھا کہ کبھی بھی مسواک منہ سے نہ چھوٹتی تھی، دانت بھی اسی سنتِ نبویؐ کے

اپنانے کی وجہ سے اخیر عمر تک سلامت رہے، اسی عشقِ نبویؐ میں سرشار ہوکر حکیم صاحبؒ نے دو مرتبہ سرکارِ دوعالم ﷺ کی خواب میں زیارت فرمائی، عشقِ نبوی کی بہت سی خصوصیات حکیم صاحب کی زندگی میں پائی جاتی تھیں، انکا تذکرہ مشکل بھی ہے اور دشوار کن بھی۔ سچ ہے:

سفینہ چاہئے اس بحر بے کراں کیلئے۔

عشق نبوی کی ایک جھلک انکی تصانیف میں ملتی ہے، اسلئے کہ اکثر انکے مطالعہ میں حدیثِ نبوی رہا کرتی تھی، اوران کی حدیث نبوی پر گہری نظر تھی، جسکا بین ثبوت انکی مندرجہ ذیل تصانیف سے ملتا ہے، مثال کے طور پر تدوین حدیث، لغاتِ حدیث، ترجمہ مسلم شریف، سیرت النبیؐ، سرور کائنات، ترجمہ خاتم النبیین، شرح قصیدہ بانت سعاد کا ادبی پہلو، علاوہ ازیں اور بہت سی تصانیف ہیں جسکا ذکر مندرجہ ذیل سطروں میں کیا جائے گا۔

حکیم صاحبؒ نے صرف علم وحکمت طب یونانی پر تکیہ نہیں کیا، بلکہ تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی خوب خوب طبع آزمائی کی اور مختلف موضوعات پر تصنیف وتالیف کی اور حکیم صاحب کی دیرینہ خواہش تھی کہ جتنی کتابیں میں نے لکھی ہیں، سب طبع ہوجائیں، لیکن بغیر توفیق خداوندی اور مشیت ایزدی کچھ نہیں ہوتا۔

ذیل میں حکیم صاحبؒ کی تصنیف کردہ کتابیں اپنی یادداشت کے مطابق قلمبند کررہا ہوں جس سے حکیم صاحب کے علمی وتحقیقی کارناموں کا بخوبی اندازہ ہوجائیگا۔

امراض صدر	مطبوعہ	الحسبۃ السوداء	غیر مطبوعہ
طب نبوی	// //	تاریخ طب	// //
سوانح ابوہریرہؓ	// //	لغاتِ حدیث	// //
محمد بن قاسم	// //	اعجاز علمی	// //
مآثر امام اعظمؒ	// //	تدوین حدیث	زیر طبع

وصی میڈیکل ڈکشنری (طب)	// //	ترجمہ مسلم شریف	غیر مطبوعہ
سنگم اردو عربی انگریزی	// //	سیرۃ النبیؐ (آخری نبی)	// //
شاداب افریقہ	// //	سرور کائنات	// //
خاتم النبیین	// //	شانِ نزول قرآن	// //
		شہباز رہگوار	// //
		شرح قصدہ بانت سعاد	// //
		ترجمہ کبائر عبدالوہاب نجدی	// //

رمضان المبارک کی ۱۹رویں صبح کو فرشتۂ اجل نے ندادی کہ حکیم صاحب اب تیار ہوجایئے، حکیم صاحب لبیک کہتے ہوئے ہم سب کو چھوڑ کر چلے گئے۔ اِنا للہ وانا الیہ راجعون۔

آسماں انکی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی

مولانا احمد خضر شاہ مسعودی
(نائب ناظم تعلیمات دارالعلوم وقف، دیوبند)

گذشتہ دنوں ایک ایسا حادثہ ہوا جس سے قدیم تعلق اور روایت کی یادیں وابستہ تھیں، رمضان کے دوسرے عشرہ کے آخر میں محترم مولانا حکیم عزیز الرحمٰن صاحب جمعرات کے روز واصل بحق ہوگئے، رمضان کے مقدس دنوں اور روحانی ساعتوں میں زندگی سے منہ موڑ کر موت کی وادیوں میں جا سونے کو انعام الٰہی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، یوں تو ہر انسان کا اس دنیا سے رخصت ہونا رنج اور غم کا سبب بنتا ہے، مگر حکیم صاحب مرحوم ان لوگوں میں تھے جن کا گذشتہ پچاس سال سے والد مرحوم حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب مسعودی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق قائم تھا، اور یہ تعلق انتہائی مضبوط مستحکم اور مخلصانہ تھا، ان کے والد گرامی قدر حضرت مولانا محمد ایوب صاحب اعظمیؒ جو جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل کے شیخ الحدیث تھے، حضرت علامہ کشمیری کے خصوصی تلامذہ میں تھے حکیم صاحب موصوف نے پختہ اس رشتہ کا خیال رکھا، وہ منکسر المزاج، نیک طبیعت، ملنسار اور خوش اخلاق انسان تھے، انہوں نے اپنی محنت سے عربی، انگریزی اور فارسی کی اعلیٰ صلاحیت پیدا کی تھی، فارسی اور اردو شاعری پر قابو یافتہ تھے، طبیعت غیور پائی تھی، اس لئے اپنے بل پر زندگی گذاری ۱۹۱۸ء میں پیدا ہوئے، مختلف جگہوں پر تدریسی خدمات انجام دیں، ۱۹۶۲ء سے ۱۹۸۹ء تک جامعہ طبیہ دارالعلوم دیوبند میں استاد رہے، انہوں نے طویل عمر پائی، اور ۹۱ رسال اس دنیا میں گذار کر دوسرے جہاں کی طرف روانہ ہوئے، لکھنے پڑھنے کا خاص ذوق تھا انہوں نے، ایک عربی، اردو، انگریزی ڈکشنری بھی ترتیب دی، جو چھپ کر منظر عام پر آئی، حضرت امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی معرکۃ الآراء

فارسی تصنیف ''خاتم النبیین'' کا اردو ترجمہ کیا جو قبول ہوا، بڑے سچے اور کھرے انسان تھے، ان کی کافی تصانیف شائع ہوئیں، اس خانوادہ کے ہر فرد کی یہ خصوصیت اور امتیاز قابل ذکر ہے کہ سب میں نیکی کا جذبہ غالب ہے، دینی ماحول میں سب کی تربیت اور پرورش ہوئی، جس کے اثرات واضح ہیں، خود حضرت محترم مولانا سعید الرحمٰن صاحب اعظمی مدظلہ العالی کی بزرگانہ شفقتیں ہمیں حاصل ہیں، حکیم صاحب مرحوم کا جانا صرف ان کے خاندان کا نقصان نہیں، بلکہ ہمارا ذاتی نقصان بھی ہے، اس جیسا مخلص اور وفا شعار انسان اب ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے گا، حسنِ اخلاق، حسن عمل اور روایتوں کو زندگی بخشنے والے اس انسان کی رب العالمین مغفرت کاملہ فرمائیں، بلند درجات سے نوازیں، اور پسماندگان خصوصاً محترم حضرت مولانا سعید الرحمٰن اعظمی اور صاحبزادہ مولانا محمد طیب قاسمی کو صبر جمیل عطا فرمائیں۔

(ماہنامہ محدث عصر، شمارہ اگست، ستمبر، اکتوبر ۲۰۰۹ء جامعۃ الامام محمد انور، دیوبند)

قدیم اقدار کی حامل ایک قابل فخر شخصیت

مولانا نسیم اختر شاہ قیصر صاحب
(مرکز نوائے قلم۔ دیوبند)

بعض لوگ بڑی خاموشی اور پرسکون زندگی گزارتے ہیں اور خاموشی کے ساتھ سفر آخرت اختیار کر لیتے ہیں، ان کے انداز، رہن سہن سے قطعی یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ ان کے سادہ قالب میں علم و فضل کی اتنی سمائی اور صلاحیت و استعداد کی اتنی گہرائی ہے۔ دیکھنے والا ان کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ کس عظمت کے مالک اور کس مرتبے کے حامل ہیں۔

ہمارے حکیم عزیز الرحمٰن اعظمی مرحوم بھی ان ہی لوگوں میں شامل تھے۔ متناسب قد، روشن آنکھیں، چہرے پر ذہانت کے چمک، پیشانی کردار کی پختگی اور اخلاق کی رفعت کا آئینہ، جب بولیں تو علم و تحقیق کی موتی لٹائیں، زبان کھولیں تو اپنی انفرادیت کی داد پائیں، قلم حرکت میں آئے تو لوہا منوائیں اور شعر و سخن کی وادیوں میں جا دھمکیں تو فکر و خیال کا ایک نیا جہاں بسائیں، عربی، فارسی، اردو، انگریزی میں یکساں مہارت، طب کے راستے پر چلے تو یہاں بھی اپنا رنگ جمایا، اعلیٰ تعلیم کے مدارج طے کئے ہوئے اور خالص دینی اور مذہبی ماحول کے پلے بڑھے، دیندار، مہذب اور شریف گھر کے تربیت یافتہ اور ہر آن اپنے نامور والد کے نقش قدم پر گامزن، گفتگو بڑی نفیس، لب و لہجہ صاف ستھرا، لایعنی گفتگو سے پرہیز اور ذاتی تبصروں و تنقید سے متنفر، مجلس کے آدمی اور ہر مجلس کے اداشناس، شاہ وصی اللہؒ کے سلسلہ سے جڑے ہوئے اور وہی معروف متانت و سنجیدگی جو خانقاہ تھانویؒ کے فیض یافتہ افراد کا نسل در نسل امتیاز ہے۔

کبھی شوخ اور قہقہہ بردوش باتیں بھی، مگر پاسبان عقل یہاں بھی رہنما، قہقہہ کا ایک مخصوص انداز جو اس زمانے کے واقف کار حلقوں میں بڑا معروف، سب سے بڑی خوبی یہ کہ جو زبان پر وہی دل میں، کینہ، بغض، حسد جیسے امراض سے میلوں کی دوری، ہمدردی و موانست

کا نمونہ، بلند خیالی اور اعلیٰ ظرفی کی مثال، ایسی مثال آنکھوں نے کم دیکھیں اور اب اس نسل کے گزرنے کے بعد اس کے دیکھنے کی تمنا اور بڑی آرزو۔

مولانا حکیم عزیز الرحمٰنؒ کو پہلی بار کب دیکھا، یاد نہیں، ہاں یادداشت کے خانہ میں ان کا نام بہت پہلے سے محفوظ اور چہرہ مدتوں سے جانا پہچانا، والد مرحوم مولانا سید محمد از ہر شاہ قیصر سے ان کے انتہائی گہرے تعلقات، والد مرحوم کا یہ مزاج کہ اپنے مشہور عالم والد کے تلامذہ اور اولاد کے فدائی، ادھر حکیم مرحوم اپنے والد مرحوم کے گرامی قدر استاذ کی اولاد کے شیدائی۔ ان دونوں کے تعلقات اور مراسم کی یہی ایک مشترک اساس اور بنیاد، رسالہ دار العلوم دیوبند کا دفتر جہاں دیگر اہلِ علم اور صاحبِ فکر و قلم افراد کی مستقل نشست گاہ، اس کے ایک معزز اور باوقار ممبر حکیم مرحوم بھی۔ والد صاحب کی صبح و شام کا ایک بڑا حصہ خامہ فرسائی میں گزرتا، اور کبھی شعر و سخن کی طرف طبیعت کا میلان ہوتا تو اصلاح کا عمل حکیم مرحوم کے یہاں طے ہوتا، حکیم صاحب اردو کے ہی نہیں، فارسی کے بھی پختہ گو شاعر اور طبیعت مائل ہو تو عربی شاعری کے نمونے بھی موجود، انہوں نے بڑی محنت سے پڑھا تھا اور اپنے دن و رات حصول علم میں لگائے تھے، اس لئے علم میں گہرائی اور وسعت تھی، مطالعہ کی کثرت اور معمول نے حدود علم کو کافی آگے بڑھا دیا تھا، اگر عربی درس و تدریس کو اختیار کرتے تو بہت سوں کو پچھاڑتے اور کافی لوگ ان سے پیچھے رہ جاتے۔

شرافت، لحاظ، مروت سے ان کا خمیرہ گندھا تھا، غیرت، خودداری اور بے نیازی ان کی فطرت تھی، اپنی زندگی کی عمارت خود کھڑی کی اور خود ہی تمام عمر اس کی پاسبانی کرتے رہے، جامعہ طبیہ دار العلوم دیوبند کی درسگاہوں سے ملحق ان کی قیام گاہ، ایک زمانے میں صاحبزادہ مولانا محمد طیب قاسمی بھی بغرض تعلیم ان ہی کے ساتھ مقیم، اپنے تمام کام خود انجام دیتے اور اپنی روزمرہ کی ضرورتوں کے لئے کسی کو زحمت دینے کے روادار نہ تھے، ایام تعطیل میں اپنے وطن تشریف لے جاتے، تو دیگر کھانے پینے کی اشیاء کے ساتھ اعظم گڑھ کی مشہور سوئیاں اور مرچ کا اچار ضرور لاتے اور احباب میں تقسیم فرماتے، رسالہ دار العلوم دیوبند میں (والد مرحوم کے زمانہ ادارت میں) ان کے مضامین، شاعری اور کتابوں پر تبصروں کو عمدہ ذوق اور خاص شوق رکھنے والے لوگ پڑھ سکتے اور دیکھ سکتے ہیں، ان کی کافی کتابیں منظر عام پر آئیں، جن میں (۱) طب

نبوی (۲) مآثر امام اعظم (۳) امراض صدریہ (۴) کتاب الرحمۃ (۵) سوانح فراہی (۶) سوانح عطار (۷) سوانح ابو ہریرہؓ (۸) اعجاز علم کی بنیادیں (۹) شاداب افریقہ (۱۰) ختامہ مسک (۱۱) وصی میڈیکل اردو انگلش ڈکشنری (۱۲) سنگم سہ لسانی (اردو، عربی، انگلش) ڈکشنری کے نام شامل ہیں، ان کی تصانیف اور تراجم کا بڑا ذخیرہ منتظر اشاعت ہے۔

حکیم صاحبؒ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل کے سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا ایوب صاحبؒ کے بڑے صاحبزادے تھے، حضرت مولانا ایوب صاحبؒ ایک صاحب علم وفضل، صاحب کمال انسان تھے اور حضرت امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے انہیں تلمذ کا شرف حاصل تھا۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے موجودہ مہتمم مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی مدظلہ حکیم صاحب مرحوم کے برادر خورد ہیں۔ حکیم صاحب مرحوم ۱۹۱۸ء میں پیدا ہوئے اور ۱۰ ستمبر ۲۰۰۹ء اس فانی دنیا کو ہمیشہ کیلئے الوداع کہا، یعنی ۹۳ رسال کے قریب عمر پائی اور زندگی کا بڑا حصہ قابل رشک اور قابل ذکر گزارا، حکیم صاحب مرحوم کی یہ خوبی ایک زرّیں عمل کی حیثیت رکھتی ہے کہ ان کی ذات سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچی اور نہ ان کی زبان سے کوئی آزردہ خاطر ہوا، فی زمانہ یہ ایسی خصوصیت ہے جو ہر ایک کا حصہ نہیں بنتی، ورنہ بلاوجہ بھی لوگ بیجا تبصروں اور غیبت کے مرتکب ہوتے ہیں، دیوبند اور افراد دیوبند سے ان کا بڑا والہانہ اور جذباتی تعلق تھا، ۱۹۸۹ء میں جب وہ مستقل طور پر دیوبند سے رخصت ہوگئے، ہر دو تین سال کے بعد دیوبند ضرور تشریف لاتے اور احباب و متعلقین کے یہاں پہنچتے، جب تک چلنے پھرنے کی سکت رہی، ان کے اس معمول اور عادت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

وہ پرانے لوگ جو پرانی روایتوں اور قدیم اقدار کے حامل تھے اور وہ اشخاص جن کے دم سے تہذیب وتمدن اور علم وفکر کے چراغ جل رہے تھے وہ ایک ایک کر کے رخصت ہو رہے ہیں اور ان کے اٹھنے کے بعد ایسا لگتا ہے کہ یہ راہیں ہمیشہ کے لئے سونی ہوگئی ہیں۔ حکیم صاحبؒ مرحوم کے رخصت ہونے سے اس احساس نے شدت اختیار کر لی اور یہی خیال ان سے محرومی کے درد کو بڑھا رہا ہے۔ (ماخوذ: ہندوستان ایکسپریس، اتوار شمارہ یکم نومبر ۲۰۰۹)۔

مولانا حکیم عزیز الرحمٰن اعظمی صاحبؒ

حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمی
(مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور اعظم گڑھ)

خاصان خدا کی برکات کا ظہور مختلف شکلوں میں ہوتا ہے، یہ خاصانِ خدا جس مٹی پر ہاتھ رکھ دیتے ہیں وہ سونا ہو جاتی ہے، یہ حقیقی معنی میں کیمیا گر اور اکسیر ساز ہوتے ہیں، اور ان کی نگاہ کرم سے جو کوئی سونا بنا وہ بہت کھرا سونا ہوتا ہے، حافظ شیرازی نے کس عمدہ پیرایہ میں اس بات کو ادا کیا ہے۔

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند　　آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

(وہ لوگ جو ایک نگاہ میں مٹی کو سونا بنا دیتے ہیں، کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ ہماری جانب گوشۂ چشم سے ایک ہلکا سا اشارہ کریں)

ماضی قریب میں ''خاک را بنظر کیمیا کنند'' کے ایک مظہر تاباں، خطۂ اعظم گڈھ سے اٹھنے والے ایک نیر اعظم، جن کی نگاہ میں اللہ جانے کتنے مٹی کے تودے آئے اور سونا بن کر نکھرے اور جو ہر بیش قیمت بنے، مصلح الامت، عارف باللہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتح پوری ثم الہ آبادی نور اللہ مرقدہ تھے۔

حضرت مولانا کی برکات میں سے ایک برکت مولانا حکیم عزیز الرحمٰن اعظمی صاحب کی شخصیت تھی۔ جن کا ابھی حال میں ۱۹ رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ مطابق ۱۰ ستمبر کو وصال ہوا، اللہ تعالیٰ مغفرت کرے۔

میں نے حکیم صاحب کو اس وقت جانا، جب میں پہلی مرتبہ دار العلوم دیوبند میں ۱۹۶۸ء میں بصیغہ، طالب علمی حاضر ہوا، حکیم صاحب دار العلوم دیوبند کے مرحوم جامعہ طبیہ میں استاذ تھے، وہ پانچوں وقت نمازِ جماعت کے لئے دار العلوم کی قدیم مسجد میں نہایت پابندی کے ساتھ

حاضری دیتے، ان کا یہ وصف طلبہ میں معروف تھا کہ ان کی تکبیر اولیٰ کبھی فوت نہیں ہوتی، حالانکہ ان کا قیام مسجد سے خاصے فاصلے پر تھا، مگر وہ دیوبند میں ہوں اور جماعت کی نماز میں ابتداء ہی سے نظر نہ آئیں، ایسا نہیں ہوتا تھا۔

دوسرا وصف ان کا جو مشہور تھا، وہ یہ کہ وہ شب زندہ دار تھے، تہجد گزار تھے، رات کے اخیر حصے میں اٹھنا اور اٹھ کر محو نماز ہونا، ان کی زندگی کا لازمہ اور اوقات کا معمول دائم تھا۔

تیسری خوبی جس میں ان کی نظیر کم ملتی تھی، ان کا پابند تلاوت ہونا تھا، مجھے تحقیق تو نہیں ہے، مگر عملاً ان کے قریبی طلبہ میں یہ بات معروف تھی، اور اس کا کبھی کبھی تذکرہ بھی ہوتا تھا کہ وہ باوجود حافظ نہ ہونے کے روزانہ ایک منزل کی تلاوت کیا کرتے تھے [1]۔

ان تینوں اکتسابی اوصاف وکمالات کے ساتھ ذہانت وذکاوت اور شاعری وسخن فہمی وسخن سنجی میں ضرب المثل تھے۔

طالب علمی کے دورِ غفلت میں گو کہ یہ باتیں دل کو لگتی تھیں، مگر اس کی جستجو نہیں ہوئی کہ ان اکتسابی کمالات کا سرچشمہ کیا ہے۔ طالب علمی سے فراغت کے بعد ان کے بعض قریبی طلبہ سے ایک اور بات معلوم ہوئی کہ وہ مصلح الامت حضرت شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے بڑے عاشق ومداح ہیں، اب اندازہ ہوا کہ ان کے ان کمالات کا سرچشمہ کیا ہے؟

پھر قسمت نے یاوری کی اور میں حضرت مولانا کے علمی اور روحانی دربار سے وابستہ ہوگیا، اس وقت جب حضرت مولانا کے وصال کو دس سال کا عرصہ بیت چکا تھا، میں ان کے قائم کردہ

---

(۱) مشہور ہے کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ ہفتہ میں قرآن کریم کے ختم کے لئے سات احزاب مقرر فرمائے تھے، انہیں احزاب کو منزل کہتے ہیں، پہلی منزل سورۂ فاتحہ سے شروع ہوکر سورۂ نساء پر ختم ہوتی ہے یعنی سوا پانچ پارے، دوسری منزل سورۂ مائدہ سے شروع ہوکر سورۂ توبہ تک پانچ پارے، تیسری منزل سورۂ یونس سے شروع ہوکر سورۂ نحل تک پونے چار پارے، چوتھی منزل سورۂ بنی اسرائیل سے شروع ہوکر سورۂ فرقان تک سوا چار پارے، پانچویں منزل سورۂ شعراء سے سورۂ یسین تک چار پارے، چھٹی منزل سورۂ والصافات سے سورۂ حجرات تک تقریباً پونے چار پارے، ساتویں منزل سورۂ قاف سے آخر تک سوا چار پارے۔

مدرسہ وخانقاہ سے وابستہ ہوا، اس وقت ان کا ذکر بہت سنا اور دل میں ان کی قدر بہت بڑھی ۱۹۸۲ء میں اس خاکسار نے حضرت شاہ صاحب کے حالات ''حیات مصلح الامت'' کے نام سے مرتب کئے، اس کا علم جب حکیم صاحب کو ہوا تو ان کی عنایتوں اور نوازشوں کا مورد بن گیا، اور جب کتاب شائع ہوئی، اس کے چند ماہ بعد میں دارالعلوم دیوبند حاضر ہوا، اور کی قیام گاہ پر حاضر ہوا، تو وہ بے ساختہ اٹھے اور لپٹ کر اس طرح رونے لگے جیسے ان کی کوئی بیش قیمت متاع گم گشتہ اچانک مل گئی ہو، یہ حضرت شاہ صاحب کی محبت تھی، جس نے انہیں بے قرار کر دیا تھا، اور کتاب ''حیات مصلح الامت'' نے ان کے اس جذبہ میں اشتعال پیدا کر دیا تھا، وہ لپٹ کر بہت روئے، ہچکیاں بندھ گئیں، پھر دیر تک سسکیوں کا سلسلہ جاری رہا، میں بہت متاثر ہوا کہ فتحپور کے پیر مغاں کی محبت نے دل میں کیا آگ لگائی ہے، کہ آنکھیں پانی بن کر بہہ رہی ہیں، اور آواز ہچکیوں اور سسکیوں میں تبدیل ہوگئی ہے۔

اس کے بعد جو گفتگو کا سلسلہ چلا تو معلوم ہوا کہ حکیم صاحب طالب علمی سے فراغت کے بعد دکان اور تجارت کے مشغلے میں لگ گئے تھے، طبیعت میں آزادی تھی، اور ذہانت کے ساتھ طبیعت بھی موزوں پائی تھی، تجارت کے ساتھ شعر وسخن کی بزم بھی آراستہ کر لی تھی، والد محترم مولانا محمد ایوب صاحب علیہ الرحمۃ مئو کے بڑے علماء میں تھے، عرصہ دراز تک جامعہ مفتاح العلوم مئو کے ناظم رہے، پھر جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل میں شیخ الحدیث رہے، لیکن حکیم صاحب کا رنگ دوسرا تھا، پھر قسمت نے زور کیا اور وہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب کی خدمت میں پہونچ گئے، ان کی طبیعت میں آزادی اور مولانا اتنے ہی پابند اور با اصول! تاہم حضرت کی شفقت ونوازش کی وجہ سے جذب ہو کر رہ گئے، پھر بھی کبھی کبھی آزادی اپنا رنگ دکھا جاتی تھی۔ ایک عرصہ تک حضرت کی خدمت میں رہے، حضرت ان کی آزادہ روی کو دیکھتے اور بحد مباح گوارا کرتے رہے، ایک بار کسی بات پر ناگواری ہوئی، اور ناگواری اتنی بڑھی کہ حکیم صاحب گھبرا گئے، حکیم صاحب فرمارہے تھے کہ گرمیوں کی دوپہر تھی، اہل خانقاہ قیلولہ میں بے خبر تھے، حضرت بھی اپنے حجرہ میں استراحت فرما تھے، میں اپنے بستر پر بیٹھا سوچ رہا تھا کہ ان بڑے

میاں کے یہاں میرا گزارا نہیں ہوسکتا، لوگ غافل ہیں، میں چپکے سے یہاں سے نکل جاؤں، پھر مجھے کون ڈھونڈھا اور اگر کسی نے ڈھونڈھا تو کہاں پائے گا؟ جب عزم پختہ کرلیا تو بستر لپیٹا اور پھر اپنے ضمیر سے لڑنے لگا، اب اٹھنے والا تھا کہ ہی بھاری قدموں کی چاپ سنائی دی، آنکھ اٹھائی تو حضرت ایک خاص کیفیت میں تیزی سے آرہے ہیں، میں تھرا گیا، آتے ہی انہوں نے میرا ہاتھ مضبوط پکڑا اور فرمایا: چلو، میں غیر ارادی طور پر اٹھ گیا، حضرت مجھے اسی طرح اپنے حجرہ میں لے آئے اور بیٹھ گئے، مجھے بھی بٹھایا، بیٹھتے ہی چہرے کا رنگ بدل گیا، کہاں تو جلال کی تمازت محسوس ہورہی تھی اور کہاں اب جمال کی خنکی پھیل چکی تھی، بہت شفقت اور محبت کے لہجے میں فرمارہے تھے کہ اب تو بھاگنے کا ارادہ نہ کروگے؟ میں پسینہ پسینہ ہوگیا، دل ابل پڑا، آنکھیں برس پڑیں، اور سارا غبار دھل گیا، پھر وہاں سے ہٹنے کا کبھی وسوسہ بھی پیدا نہیں ہوا۔

اس دوران حضرت نے حکم دیا کہ الہ آباد بورڈ سے فاضل طب کا امتحان دیدو، میں نے طب کی ابجد بھی نہ پڑھی تھی، حیران ہوا کہ یہ کیا حکم ہے؟ مگر حکم ایسے شخص کا تھا جسے ٹالا نہیں جاسکتا تھا، میں نے فارم بھردیا اور طب کی کتابوں کا مطالعہ کرنے لگا، مگر صرف مطالعہ سے کیا حاصل ہوتا، امتحان کا وقت آگیا، مجھے یقین تھا کہ میں فیل ہوجاؤں گا، مگر جب نتیجہ آیا تو نمبر بہت اچھے تھے، کچھ ہی دنوں کے بعد دارالعلوم دیوبند طبیہ کالج کا اجراء ہوا تو حضرت مہتمم صاحب نے حضرت سے ذکر کیا کہ آپ کے لوگوں میں سے کوئی حکیم مل جائے تو اچھا ہوتا، حضرت نے حکیم صاحب کو حکم دیا کہ دیوبند چلے جاؤ۔ حکیم صاحب گھبرائے مگر حکم سے مفر نہ تھا، گئے اور حضرت کی دعا سے کامیاب استاذ ہوئے۔ دیوبند میں کتنے لوگ انہیں "حکیم لدنی" کہتے تھے، یعنی حکیم صاحب تعلیم واکتساب کی راہ سے حکیم نہیں ہیں، بلکہ بغیر کسب وتعلیم کے انہیں منجانب اللہ حکمت کا فن بخش دیا گیا ہے۔

جن دنوں حکیم صاحب خانقاہ شیخ میں مقیم تھے، اس وقت کے بعض واقعات وہ سنایا کرتے تھے، ایک بڑے عالم کا تذکرہ کررہے تھے کہ حضرت نے انہیں کتب خانے سے کسی کتاب کے نکال لانے کا حکم دیا، ان کے مزاج میں گھبراہٹ اور جلد بازی کی کیفیت تھی، آدھی بات سنی اور تیزی سے کتب خانے کی طرف لپکے چلے گئے، پھر وہ ایک ایک کتاب نکال نکال کر

دیکھنے لگے، حکیم صاحب نے ان کی گھبراہٹ محسوس کر لی، وجہ پوچھی تو کہنے لگے کہ حضرت نے ایک کتاب لانے کیلئے کہا، میں جلد بازی میں ٹھیک سے سنا نہیں اور دوڑا آ گیا، اب سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں؟ حضرت کا رعب وجلال جو لوگ جانتے ہیں وہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان عالم کا حال کیا ہوگا، حکیم صاحب کے ذہن ثاقب نے اس مشکل کو حل فوراً ڈھونڈ لیا، وہ بے تأمل اٹھے اور حضرت کی خدمت میں جا بیٹھے، کچھ دیر کے بعد انہوں نے سادگی سے تذکرہ کیا کہ حضرت فلاں صاحب ابھی یہیں بیٹھے تھے، نظر نہیں آ رہے ہیں؟ فرمایا کہ دیکھو! دیر ہو رہی ہے، ایک کتاب لینے کے لئے انہیں کتب خانہ میں بھیجا ہے، ابھی تک نہیں لائے، انہوں نے پھر اسی سادگی سے پوچھ لیا کہ حضرت! کون سی کتاب؟ حضرت نے بتا دیا، وہ اٹھے اور مولانا صاحب کو بتایا، وہ خوش خوش اس کتاب کو لے کر حاضر ہو گئے، بات بگڑ چکی تھی مگر بن گئی۔

فرما رہے تھے کہ ایک روز حضرت خانقاہ سے کہیں باہر تشریف لے گئے تھے، میں نے میدان صاف دیکھا، تو چند بے تکلف احباب کو لے کر بزم سخن سجائی، اور شعر وشاعری کا دور شروع ہو گیا، میں فراق گورکھپوری کا ایک شعر سنا رہا تھا کہ:

اے اہل ادب آؤ یہ جاگیر سنبھالو ہم مملکت لوح وقلم بانٹ رہے ہیں

فعل سے غیبت کی ممانعت اور برائی کو ایک ساتھ بیان فرمایا ہے اور یہ جو مشہور ہے کہ احتیاط کی بات یہ ہے کہ ہر شخص سے بدگمانی رکھے۔ اس کا مطلب بدگمانی کو جائز قرار دینا نہیں ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی سے معاملہ کرے تو ایسا کرے جیسا کہ بدگمانی کی صورت میں کیا جاتا ہے کہ جب تک پوری طرح اعتماد نہ اپنی چیز کسی کے حوالہ نہ کرے، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہر کسی کو چور اچکا سمجھے اور اس کی تحقیر کرے، بلکہ یہ مطلب ہے کہ کسی شخص کو چور یا غدار سمجھے بغیر اپنے معاملے میں احتیاط برتے اور اجنبیوں کی طرح معاملہ کرے اور جب تک پوری طرح اعتماد نہ ہو، ہر شخص سے معاملہ کرنے میں احتیاط کو ملحوظ رکھے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو بدگمانی اور ہر قسم کی ظاہری وباطنی برائی سے محفوظ ومامون فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين۔

غمگسار و مونس و ہمدرد مخلص، مہرباں

مولانا عبدالخالق ندوی
(استاد جامعۃ الصالحات، رامپور)

مولانا حکیم عزیز الرحمٰن اعظمی ادیب، مفسر، محدث، مورخ، ماہر لسانیات، کامیاب مترجم، طبیب حاذق، زمانے کے نبض شناس، اور خداداد صلاحیتوں کے مالک تھے، مرحوم ومغفور کی ذات گرامی گوناگوں صفات اور متنوع کمالات کا مجموعہ تھی، خاندانی شرافت، حسن ووجاہت، شہرت، علم وفضل، برادر خورد دور حاضر کے صاحب طرز ادیب اور نامور انشا پرداز استاذ محترم ومکرم حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی حفظہ اللہ اور محترم ومکرم جناب ڈاکٹر مسیح الرحمٰن اعظمی حفظہ اللہ اولاد اور سپوت اولاد، غرض اللہ پاک نے سب کچھ دے رکھا تھا، ان کے یہاں کسی چیز کی کمی نہ تھی اور پھر سب سے بڑھ کر ان سب کے باوجود نیک سیرت اور پاکیزہ کردار تھے، ادیب وطبیب حاذق کے ساتھ ساتھ عابد وزاہد خدا ترس انسان غرض سبھی کچھ تھے، اہل علم اور ضرورت مندوں کی امداد بھی کرتے (رجل تصدق فأخفاها حتى لاتعلم شماله ماتنفق يمينه) (الحدیث)

مولانا حکیم عزیز الرحمٰن نور اللہ مرقدہ ایک مشہور ومعروف علمی وادبی خانوادے کے چشم وچراغ تھے، اسی علمی وادبی خاندان میں ۱۳۳۶ھ سے ۱۴۳۰ مطابق ۱۹۱۹ء سے ۲۰۰۹ تک زندگی کی نوے سے زائد بہاریں گذاریں، جب سن رشد کو پہنچے تو والد مرحوم ومغفور کو مسند شیخ الحدیث پر فائز پایا، ان کے زیر سایہ تربیت ہوئی، عالم وفاضل بنے، کامل واکمل بنے، پھر مصلح امت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ قدس سرہ سے اصلاحی تربیتی تعلق ہوا، جن کے فیض صحبت سے ان کے اندر دین فہمی کا سنجیدہ ذوق پیدا ہوا اور ان کی شخصیت میں چار چاند لگا دیا۔

مرحوم ومغفور حضرت حکیم صاحب نوراللہ مرقدہ کی شخصیت، والد مخدوم ومحترم کی تربیت اور مصلح امت کی صحبت سے نکھر گئی، آپ نے علمی حلقے میں کافی شہرت حاصل کی جس سے آپ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، جلسے اور سیمنار والے تو نہیں تھے لیکن خانقاہی ہونے کے ساتھ ساتھ علم کے ہر میدان میں شہرت حاصل کی۔ ہر میدان میں نتیجہ فکر پیش کیا، اسلامی لائبریریوں کو اپنی تصنیف تالیف اور ترجموں سے مالا مال کیا۔ ان کی تصنیفات وترجمے بہت ہیں ان میں سے چند قابل ذکر سنگم سہ لسانی لغت، طب نبوی، شاداب افریقہ، تاریخ تدوین سنت، یہ ڈاکٹر محمد عجاج الخطیب کی کتاب "السنة قبل التدوين" کا اردو ترجمہ ہے بروقت یہ کتاب مکتبہ ذکری دلی سے شائع ہونے والی ہے۔

یہ ہے مرحوم ومغفور حضرت مولانا حکیم عزیز الرحمٰن قدس سرہ کا مختصر تعارف، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی قبر پر رحمت کی بارش برسائے، اس کو نور سے بھر دے، انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔

صبر کا اب اور کیا ہوگا ہمار امتحان
ان کے جیسا دوسرا کوئی نظر آتا نہیں
ہوگئے آنکھوں سے اوجھل ماہِ تاباں علم کے
وقت ان کا آ گیا تھا ان کو جانا ہی پڑا
جنت الفردوس میں آرام فرما آج ہیں

دور ہیں آنکھوں سے کل تک تھے جو سب کے درمیاں
غمگسار ومونس وہمدرد، مخلص، مہرباں
رہ گئی ہونٹوں پہ اب تو صرف ان کی داستاں
جو بھی کی کوشش معالج نے گئی وہ رائیگاں
نیک سیرت، پاک دل، غمخوار، مونس، مہرباں

جو بادہ کش ہیں پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں

مولانا مسعود احمد الاعظمی
(نائب مدیر مجلۃ المآثر، مئو)

۱۹ر رمضان المبارک مطابق ۱۰ر ستمبر پنج شنبہ کو صبح تقریباً پونے دس بجے حکیم عزیز الرحمٰن صاحب اعظمی کا سانحہ ارتحال پیش آیا، آپ کی عمر ۹۰ر نوے برس سے متجاوز تھی، اور ان نوے برسوں میں سے شعور آگہی کی پوری عمر علم وفن، طب وحکمت اور شعروادب کی خدمت سے عبارت تھی۔

حکیم صاحب کے سعادت مند صاحبزادے مولانا حافظ محی الدین طیب صاحب کی روایت کے مطابق آپ کی ولادت ۱۹۲۱ء میں ہوئی تھی، یہ زمانہ غلام اور محکوم ہندوستان کی سیاست کا نہایت پرآشوب زمانہ تھا، یہ سال تحریک خلافت کے شباب کا سال تھا، اور اس کی پاداش میں غاصب انگریز حکمرانوں کے ذریعے ہندوستانیوں کی دارو گیر اور ان پر ظلم وستم کی تاریخ رقم کی جارہی تھی۔ اس وقت سے لے کر ۱۹۴۷ء تک ہندوستانی سیاست اور جدو جہد وآزادی کا نہایت سنگین اور نازک ترین دور تھا۔ صرف سیاست ہی نہیں شعروشاعری اور ادب کی دنیا بھی ایک انقلاب آفریں دور سے گزر رہی تھی، اور ادبی وشعری تحریکات پر سیاسی نشاط کا پورا پورا عکس پڑ رہا تھا۔

نشوونما اور تربیت کے دور سے گزرنے والی حساس طبیعتیں کسی نہ کسی حد تک ماحول سے متاثر ضرور ہوتی ہیں اور ان کے طبع ومزاج پر گردوپیش واقع ہونے والے حالات وواقعات کے نقوش کا مرتسم ہونا ایک طبعی امر ہوتا ہے، اور حکیم صاحب کے حالات زندگی کا تجزیہ کیا جائے تو یہ بات صاف اور واضح طور پر معلوم ہوگی کہ ایک قدامت پسند دیندار گھرانے میں آنکھ کھولنے اور تعلیم وتربیت پانے کے باوجود دینی وعلمی نشوونما کے ساتھ ان کو فکر وفن اور شعروسخن سے کس قدر

حظ وافر ملا تھا، اور ان کا مزاج صرف زمانہ شناس نہیں بلکہ بڑی حد تک زمانہ ساز بھی تھا۔

مختصر خاندانی حالات

حکیم صاحب ایک دیندار گھرانے کے چشم و چراغ تھے، علم و عمل اور ذکر و شغل ان کے خاندان کی سب سے بیش بہا متاع تھی، ان کے اجداد میں ایک بزرگ مولانا عصمت اللہ عبدالحکیم تھے، یہ نہایت بلند پایہ اور بزرگ عالم دین تھے، ان کے بارے میں حضرت محدث کبیرؒ حبیب الرحمٰن اعظمی نے اپنی یادداشت میں لکھا ہے:

مولوی عصمت اللہ کہ بمولوی عبدالحکیم شہرت داشت از بختاور گنج است در کانپور نزد مولوی احمد حسن کانپوری کتب درسیہ بانجام رسانید عالمے مستعد بود۔

مولوی عصمت اللہ جو کہ مولوی عبدالحکیم سے مشہور تھے، بختاور گنج کے تھے، کان پور میں مولوی احمد حسن کانپوری کے پاس درسی کتابوں کی تکمیل کی، ایک ذی استعداد عالم تھے۔ اور حضرت محدث کبیرؒ نے اپنی یادداشتوں ہی میں ایک دوسری جگہ لکھا ہے:

مولوی عصمت اللہ بختاور گنج بن شیخ غلام حسین مولد ۱۲۸۸ھ فارغ ۱۳۱۲ھ مرید گنج مراد آباد۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے والد کا نام شیخ غلام حسین تھا اور ۱۲۸۸ھ میں تولد ہوئے تھے، ۱۳۱۲ھ میں تحصیل علم سے فراغت یاب ہوئے تھے۔ حضرت گنج مراد آبادی کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے، مولانا عصمت اللہ صاحب کے کچھ حالات حکیم صاحب نے ترجمہ خاتم النبیین کے مقدمے کی ابتدا میں بھی سپرد قلم فرمائے ہیں۔

بختاور گنج مئو شہر کی ایک مضافاتی بستی ہے، یہ خاندان وہیں آباد تھا، وہاں سے نقل مکانی کر کے قلب شہر کے محلہ یوسف پورہ میں اقامت گزیں ہو گیا۔

حکیم صاحب کے دادا مولانا صوفی محمد صابر علیہ الرحمہ شیخ الدلائل والخیرات مولانا عبدالحق الہ آبادی کے مجاز صحبت اور مولانا صوفی ولی محمد صاحب گھوسی ضلع مئو کے مجاز بیعت تھے، اور صاحب نسبت بزرگوں میں شمار ہوتے تھے۔

صوفی محمد صابر صاحب کے صاحبزادے اور حکیم صاحب کے پدر بزرگوار مولانا محمد ایوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۶ رشوال ۱۴۰۴ھ مطابق ۶ رجولائی ۱۹۸۴ء کی حیثیت مئو شہر اور مفتاح العلوم مئو کی تعمیر و ترقی میں ثالث ثلاثہ کی تھی، مختلف مقامات پر تحصیل علم کے بعد دیوبند گئے اور فاتحہ فراغ پڑھی۔ تحصیل علم کے بعد درس و تدریس کا مشغلہ اختیار کیا اور متعدد مقامات پر مسند درس کو رونق بخشی۔ ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۹۲۹ء میں محدث کبیر حضرت علامہ اعظمیؒ نے مفتاح العلوم کی نشأۃ ثانیہ کی، اس وقت یہ مدرسہ چراغ سحری تھا، اور اس کی حیثیت ایک مکتب سے زیادہ نہیں تھی، علامہ اعظمی نے اپنے دیرینہ رفیق مولانا عبداللطیف نعمانی متوفی ۱۳۹۲ھ-۱۹۷۳ء اور مولانا محمد ایوب صاحب کو بالترتیب سنبھل اور دیوریا سے بلا کر اور ان کو ساتھ لے کر اس مدرسے کے لئے ایک نئے دور کا آغاز کیا، اور پلک جھپکتے اس کو شہرت و ترقی کے بام عروج تک پہنچا دیا۔ پھر بعض مخصوص حالات کی بنیاد پر (جن کو راقم الحروف حیات ابوالمآثر میں صفحہ ۲۹۷-۲۹۸ پر لکھ چکا ہے) مولانا محمد ایوب صاحب نے ۱۳۸۱ھ میں مفتاح العلوم چھوڑ دیا، اس کے بعد ندوۃ العلماء لکھنؤ پھر علامہ اعظمیؒ کے مشورے پر تعلیم الدین ڈابھیل کے شیخ الحدیث ہوئے۔

مولانا محمد ایوب صاحبؒ کے تین فرزند ہوئے اور تینوں لائق و فائق ہوئے، حکیم صاحب جو بڑے فرزند تھے، ان کے علاوہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم اور البعث الاسلامی کے مدیر باتدبیر مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن الاعظمی، اور سب سے چھوٹے ڈاکٹر مسیح الرحمٰن اعظمی سابق لیکچرر شبلی کالج اعظم گڑھ و حال مقیم انگلینڈ یونیورسٹی لکھنؤ ہیں۔

مولانا حکیم عزیز الرحمٰن نے اس علمی و دینی گھرانے میں آنکھیں کھولیں، اور اسی پاکیزہ ماحول میں نشو و نما اور تعلیم و تربیت حاصل کی، ابتدا سے لے کر متوسطات تک کی بیشتر تعلیم مدرسہ مفتاح العلوم مئو میں حاصل کی، یہاں آپ کے اساتذہ میں محدث کبیر علامہ اعظمی اور مجاہد آزادی مولانا عبداللطیف نعمانی رحمہما اللہ جیسے اصحاب علم و فضل تھے، اس کے بعد دارالعلوم دیوبند چلے گئے اور وہاں ۱۳۵۹ھ-۱۹۴۰ھ میں فاتحہ فراغ پڑھی، دارالعلوم دیوبند کے آپ کے اساتذہ میں قابل ذکر شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، شیخ الادب والفقہ مولانا اعزاز علی اور امام

جامع معقول ومنقول مولانا ابراہیم بلیاوی تھے۔ حکیم صاحب دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم کی ضرورت سے غافل نہیں رہے، اور اس میں بھی اچھی استعداد وصلاحیت بہم پہنچائی۔

۱۹۴۶ء میں مئو کے مشہور کالج ڈی اے وی میں ٹیچر مقرر ہوئے، ۱۹۵۱ء تک اس منصب پر برقرار رہے، اس اثناء میں آپ نے دوسرے مشاغل بھی اختیار کیے، اور کپڑے کی تجارت کے علاوہ دواخانہ شروع کیا، اور دوافروشی کر کے کسب حلال کی فکر میں لگے رہے۔

۱۳۸۳ھ-۱۹۶۳ء میں دارالعلوم دیوبند میں طبیہ کالج قائم ہوا، اور اس میں خدمت تدریس کے لیے اساتذہ کا تقرر ہونے لگا، تو قرعہ فال حکیم صاحب کے نام بھی نکلا، حکیم صاحب خود کو اس کے لیے تیار نہیں پا رہے تھے، لیکن آپ کے پیرومرشد حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ نے اپنے نور بصیرت سے حکیم صاحب کی پوشیدہ صلاحیت کو بھانپ لیا، اور ان کو اس پیشکش کو قبول کر لینے کے لئے آمادہ کیا، چنانچہ حکیم صاحب ۱۹۲۳ء سے لے کر ۱۹۸۶ء تک نہایت کامیابی کے ساتھ تدریس طب کی خدمت انجام دیتے رہے، جب ۱۹۸۶ء میں دارالعلوم دیوبند نے بعض مصالح کی بنیاد پر شعبہ طب کو تحلیل کر دیا تو حکیم صاحب کو ان کی ادبی اور تصنیفی صلاحیت اور ذوق کی وجہ سے شیخ الہند اکیڈمی سے متعلق کر دیا گیا، آپ کی شاندار کتاب ''مآثر امام اعظم'' اسی دور کی مسعود ومبارک یادگار ہے۔

۱۴۰۹ھ ۱۹۸۸ء میں آپ کو پنشن دے کر دارالعلوم کی مستقل خدمت سے سبکدوش کر دیا گیا، دارالعلوم دیوبند سے پنشن یاب ہونے کے بعد حکیم صاحب کچھ مدت کے لئے متحدہ عرب امارات چلے گئے، جہاں ان کے صاحبزادے مکرم مولانا محی الدین صاحب بسلسلہ ملازمت اقامت گزیں تھے، تقریباً ایک ڈیڑھ سال کے بعد امارات چھوڑ کر مئو آئے اور آخری وابدی سفر پر روانہ ہونے تک کے لئے رخت سفر کھول لیا، اور کسی پر بار بننا پسند نہ کرتے ہوئے دواسازی کر کے اپنے اخراجات پورے کرتے، اور باقی اوقات میں تصنیف وتالیف میں مشغول ومنہمک رہتے۔

مصلح الامت حضرت اقدس مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ ارادتمندوں میں تھے، ان کے زہد وتقوی اور بزرگی، وپرہیزگاری کے بہت قائل تھے، اور ان

ہی کے حکم وایما پر فن طب کو اپنا وسیلہ معاش بنایا تھا۔

حکیم صاحب طبیعت کے بہت آزاد اور زبان وقلم کے نہایت جری اور بے باک تھے، حق بات بے دھڑک کہہ دینے کے عادی تھے، جس کی وجہ سے ان کو اپنی ذاتی زندگی میں نقصان سے بھی دوچار ہونا پڑا، کسی پر بوجھ بننے کے قائل بالکل نہیں تھے، آخر عمر تک اپنا کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے رہے، اپنے شاگردوں سے علمی نوعیت کی خدمت مثلاً نقل واملا وغیرہ کی تو کبھی لے لیا کرتے تھے، مگر جسمانی اور ذاتی خدمت قطعاً پسند نہیں کرتے تھے، پیرانہ سالی اور ضعف ومعذوری کے باوجود اپنے ذاتی کام کے لیے کئی دفعہ اپنی جگہ سے اٹھ کر دوسری جگہ جانا ہوتا تو اس کو گوارا فرما لیتے، لیکن پاس بیٹھے ہوئے شخص سے چاہے وہ ان کا شاگرد ہی کیوں نہ ہو ہرگز کام نہ لیتے۔

معمولات کے سخت پابند تھے، قرآن کریم کی تلاوت سے ان کو بہت انس تھا، عرصہ دراز سے روزانہ پانچ پاروں اور رمضان المبارک میں دس پاروں کی تلاوت کا معمول تھا، سحر خیزی ان کی عادت بن چکی تھی، رات کو عشاء کی نماز کے بعد جلد سو جاتے اور اخیر شب میں اٹھ کر اپنے معمولات اور وظائف واوراد میں مشغول ہو جاتے، راقم الحروف کا علی گڑھ کی طالب علمی کے زمانے میں مئو سے علی گڑھ تک سفر کا ایک دفعہ اتفاق ہوا، ترٹرین میں دیکھا کہ بہت سویرے اٹھ کر تہجد اور دیگر معمولات میں مشغول ہو گئے، یہی حال نماز باجماعت کا بھی تھا، کہ جماعت شاید ہی کبھی فوت ہوتی تھی۔

حکیم صاحب کا اشہب قلم صفحہ قرطاس پر بہت تیز دوڑتا تھا، چونکہ طبیعت میں درا کی اور روانی وجولانی تھی، اس لیے قلم طبیعت ومزاج سے ہم رکاب ہو کر چلتا تھا۔

قلم کی تیز گامی کا حال یہ تھا کہ کسی کتاب کی تصنیف اور ترجمہ کا کام شروع کرتے تو دیکھتے دیکھتے اس کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیتے، اپنی حرکت ونشاط اور چابکدستی سے برسوں کا کام مہینوں اور مہینوں کا ہفتوں میں نمٹا دیتے۔

رو میں ہے رخش عمر دیکھئے کہاں
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

یہی وجہ ہے کہ ان کی تصانیف وتراجم کی فہرست اتنی طویل اور متنوع ہے کہ آدمی حیرت کیے بغیر نہیں رہ سکتا، حدیث، سیرت، طب اور شعروشاعری ہر فن پر زبان وقلم کے جوہر دکھائے ہیں، ان کی کچھ تصانیف ذیل میں ذکر کی جارہی ہیں۔

ختامہ مسک: علامہ ابن حزم اندلسی کی مختصر مگر جامع تصنیف جوامع السیرۃ کا اردو ترجمہ ہے، جو مکتبہ فردوس لکھنؤ سے شائع ہوا ہے۔

خاتم النبیین: امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کی فارسی نہایت جامع سوانح حیات ہے۔

سنگم: مشہور انگلش عربی لغت المورد کو اردو کے قالب میں ڈھالا ہے۔ اور تین ضخیم جلدوں میں شائع ہوا ہے۔ یہ کتاب حکیم صاحب کی سالہا سال کی محنت عرق ریزی کا نتیجہ ہے۔ یہ کتاب بھی مکتبہ فردوس سے ۲۰۰۵ء میں شائع ہوئی ہے۔

وصی میڈیکل ڈکشنری: ایک ضخیم جلد میں نہایت اہم طبی لغت ہے۔

شاداب افریقہ: رابطہ عالم اسلامی کے سابق جنرل سیکریٹری شیخ محمد ناصر العبودی کے سفرنامہ افریقی الخضراء کا اردو ترجمہ ہے، جو ۲۰۰۲ء میں شائع ہوا ہے۔

حکیم صاحب شاعری برجستہ کرتے تھے، ہر صنف سخن پر طبع آزمائی کی ہے، نعت اور غزل زیادہ ہیں، شعراء کے کلام پر تضمین بھی برجستہ کرتے تھے، اور عربی وفارسی واردو تینوں زبانوں میں داد سخن دی ہے۔

حمد ونعت اکیڈمی نئی دہلی کی طرف سے حکیم صاحب کو ان کی اسلامی وادبی خدمات کے اعتراف میں ۲۰۰۶ء میں مولانا شبلی نعمانی ایوارڈ تفویض کیا گیا، بہرحال یہ تو دنیا کی عزت ہے اور امید ہے کہ ان کی تصانیف کی وجہ سے رہتی دنیا تک ان کا نام زندہ وتابندہ رہے گا، لیکن اصل عزت تو آخرت کی سرخ روئی ہے اور امید ہے کہ حکیم صاحب کے ساتھ ان کے معمولات، صوم وصلاۃ، تلاوج کلام پاک اور حسن اخلاق کے بدلے میں خاصان خدا کا معاملہ کیا جارہا ہوگا۔

ع خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

ایک شخص۔ایک کارواں

مولانا محمود حسن حسنی ندوی

نائب مدیر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ

ماہ رمضان المبارک میں جو اہم شخصیات ہمارے درمیان سے جدا ہوگئیں، ان میں ایک اہم شخصیت مولانا عزیز الرحمٰن اعظمیؒ کی ہے، ان کے والد مولانا محمد ایوب صاحب اعظمیؒ بڑے پائے کے عالم اور محدث تھے، ان کو اللہ نے تین بیٹے اور بیٹیاں دیں، صاحب زادگان میں مولانا حکیم عزیز الرحمٰن سب سے بڑے تھے، ۱۹۱۹ء میں پیدا ہوئے، اور ۱۹؍رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ مطابق ۱۰ستمبر ۲۰۰۹ء کو مئو (اعظم گڑھ) میں انتقال کیا، مولانا علوم دینیہ کے عالم ہونے کے ساتھ طبیب و معالج بھی تھے، مئو میں ایک بڑی فارمیسی بھی کھولی تھی، اور ماہر اطباء کے تعاون سے نوع بنوع دوائیں تیار کی تھیں، دار العلوم دیوبند سے تعلیم حاصل کی اور مدرسہ مفتاح العلوم مئو میں بھی پڑھا تھا، ان کو ظاہری علوم کے ساتھ باطنی استفادہ کی فکر دامن گیر رہی، اور مصلح الأمت حضرت شاہ وصی اللہ صاحب فتح پوریؒ سے بیعت وارادت کا تعلق قائم کرکے اس کے لئے بھی وقت فارغ کیا، یہاں تک کہ فارمیسی بند کرکے شیخ کی خدمت میں رہنے کو ترجیح دی، پھر ان کا ایماء پا کر طب یونانی میں مزید مہارت پیدا کی اور جب دار العلوم دیوبند میں جامعہ طبیہ قائم ہوا تو اس میں مدرسی اختیار کی، پھر اس سے ریٹائر ہوکر اپنے شیخ کی خدمت میں رہے، اور حضرت شاہ صاحب کی وفات کے بعد علاج ومعالجہ کا مشغلہ پھر سے اختیار کیا، طب کے موضوع پر ان کی کئی کتابیں نکلیں، وصی میڈیکل ڈکشنری ایک بڑا کارنامہ ہے، اسی جذبہ کے تحت امام ابن قیم کی طب نبوی کے موضوع پر کتاب کو اردو میں منتقل کیا، طب میں ان کو اختصاص حاصل تھا، لیکن دوسرے موضوعات سے بھی دلچسپی قائم رکھے ہوئے تھے، چنانچہ ان کے قلم سے سوانح ابو ہریرہؓ، مآثر امام اعظم، سوانح فراہیؒ، اور المورد عربی، انگریزی کا اردو ترجمہ ''سنگم'' قابل ذکر اور اہم ترین علمی کارنامے ہیں، آخری عمر میں وہ حدیث شریف کی خدمت میں یکسو تھے، اور اردو میں اس کے متعلق ایک ضخیم لغت تیار کررہے تھے، اب وہ طباعت کے مرحلہ میں تھی کہ وہ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وہ جس طرح اپنے علمی کمالات رکھتے تھے، اسی طرح دینی اوصاف وخصوصیات کے بھی حامل تھے، اور اس وجہ سے لوگوں میں مقبول ومحبوب بھی تھے، معمولات اور اوراد وظائف کے پابند، حقوق وفرائض کی ادائیگی میں نشیط، اور محبت واخلاق اور حسن برتاؤ میں مشہور تھے، ان کا اولوالعزم شخصیات سے گہرا تعلق تھا، اس لیے امیر المؤمنین حضرت سید احمد شہیدؒ سے بھی بڑی عقیدت ومحبت کا ایک طرح کا جذباتی تعلق رکھتے تھے، اور ندوہ کی عصری معنویت کے پوری طرح معترف اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے نیازمندوں میں تھے۔

راقم نے ان کا کئی بار دیدار کیا، ان کے اخلاق وحسن کردار کا مشاہدہ کیا، ان کی خوردنوازی دیکھی، استاذ مخدوم ومعظم مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مدظلہ العالی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء ان کے عزیز ترین بھائی ہیں، دونوں کی عمر میں ۱۵-۱۶ سال کا تفاوت ہے، حکیم صاحبؒ نے اپنے بھائیوں کی سرپرستی بھی اخیر وقت تک کی، سب سے چھوٹے بھائی ڈاکٹر مسیح الرحمٰن صاحب اعظمی ہیں جو انگریزی یونیورسٹی میں لکچرار ہیں، ایک بیٹے ہیں مولانا محی الدین طیب اعظمی صاحب جو دبئی کی ایک مسجد میں خطیب وامام تھے اور اب وہاں اوقاف میں ہیں، اللہ تعالیٰ حکیم صاحب مرحوم کی مغفرت فرمائے، یہ راقم کے لئے سعادت کی بات تھی کہ اسے مولانا کے جنازے میں شرکت کا شرف حاصل ہوا، استاذ محترم مولانا عبدالعزیز صاحب بھٹکلی اور خال محترم مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی بھی تھے، بارش مسلسل ہورہی تھی، ڈیڑھ بجے رات کو جنازے کا اعلان تھا، اس سے ذرا پہلے بارش رک گئی، مدرسہ مفتاح العلوم کے صحن میں دیکھتے دیکھتے خاصہ مجمع اکٹھا ہوگیا، اور بزرگ عالم دین مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی مدظلہ استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند نے نماز جنازہ پڑھائی، بارش چونکہ خاصی ہوئی تھی، اس لیے قبرستان پہنچنے میں دشواری تھی اور اندھیرا بھی تھا، لیکن اکثریت نے تدفین میں شرکت کی، حکیم صاحبؒ کی کھلی برکتیں ظاہر ہوئیں، اور یہ ان کی کرامت تھی کہ سب باسلامت رہے، لوگوں کی زبان پر تھا کہ اگر بارش نہ ہوتی تو تاریخی اژدہام ہوتا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے ان کی سبھی علمی ودینی خدمات کو قبول فرمائے اور ان کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ (سہ ماہی تعمیر افکار اکتوبر۔ تمبر ۲۰۰۹)

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

مولانا جمال احمد ندوی
(استاد حدیث جامعہ عربیہ مصباح العلوم، کوپا گنج، مئو)

دنیا میں مختلف طبیعتوں اور متضاد ذہنوں کے لوگ پائے جاتے ہیں، ہر شخص اپنی ذہنی مناسبت، فکری صلاحیت، اکتشافی واجتہادی نقطہ نظر اور طبعی تقاضے سے اپنے لئے کوئی زاویۂ فکر اور راہ عمل منتخب کرتا ہے۔ اور اسی میں شاداں وفرحاں رہتا ہے، کوئی سیاست کے کوچے میں داخل ہوتا ہے، تو کوئی سماجی ومعاشرتی فلاح وبہبود کو اپنا مطمح نظر بناتا ہے، کوئی علوم وفنون کے بحر زخار میں غوطہ زن ہوتا ہے، تو کوئی ادب کے دشت کی سیاحی کرتا ہے، کوئی فقہی وتفسیری نکتہ سنجیوں میں گم ہوتا ہے، تو کوئی فلسفیانہ موشگافیوں میں متاع حیات کو لگاتا ہے، تو کوئی نوع انسانی کو مرغزار روشاداب بنانے کیلئے طب جیسے پاکیزہ اور سنجیدہ فن میں علمی وتعلیمی طور پر کھوجاتا ہے، اور ایسے بھی نابغہ روزگار اور عباقرۂ وقت ہوتے ہیں جن پر قادر مطلق ہر ہنر کے دروازے کھول دیتا ہے اور فکر وفن اور علم وعمل کے مخفی دریچے واکردیتا ہے۔ اسکی ذات سے کچھ بھی بعید ومستبعد نہیں ہے۔ إن الله على كل شئى قدير.

لیس علی الله بمستنکر　　　أن یجمع العالم فی واحد

عالم ربانی، طبیب حاذق اور عظیم مصنف حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب نابغہ روزگار شخصیت بھی انہیں چیدہ اور چنیدہ شخصیات میں سے ہیں جو بیک وقت طبیب حاذق، عالم باعمل، سوانح نگار، عظیم محدث، باکمال لغوی اور باذوق شاعر تھے، دست قدرت نے اس ہمہ جہت شخصیت کو غیر معمولی بصارت وبصیرت، فہم وفراست سے نوازا تھا۔ اور مبدأ فیاض نے نے آپ کو بے حساب وبے شمار صلاحیتوں اور خوبیوں سے ہمکنار کیا تھا، اور علوم وفنون کے گنجہائے گرامایہ سے انکی

ذات کو باکمال، مرغزار اور باغ و بہار بنا دیا تھا، خداوند قدوس نے حکیم صاحب کو علمی و عملی صلاحیتیں ودیعت فرمائی تھیں، آپ نے اس سے خاطر خواہ استفادہ کیا اور عملی طور پر اسے اپنانے میں کسی قسم کا دریغ نہیں کیا۔ دارالعلوم دیوبند کے مروجہ نصاب تعلیم کی تکمیل کے بعد دیگر علوم وفنون میں علمی تشنگی کی سیرابی کیلئے فن برائے زندگی کے نقطہ نظر کو اپنا کر ذاتی کتب بینی سے وہ مقام حاصل کرلیا جس سے وابستگان فن عموماً کم مایہ یا تہی دست نظر آتے ہیں۔ حضرت حکیم صاحب علم و عمل، فہم و فراست، زہد و تقویٰ اور بحث و تحقیق کے گل سرسبد تھے۔ جن پر رشک کرنا بجا ہے۔

ع ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے

ان کا علم نہایت ہی پختہ اور قلم بہت ہی اشہب تھا، انکی مرنجا مرنج شخصیت نے تصنیف و تالیف اور طباعت کی مشغولیت کے باوجود انکی مجلسی شخصیت کو دو آتشہ اور دو چند بنا دیا تھا۔ انکی مجلس تفسیر و حدیث، تاریخ و سیر، شعر و ادب، طب و طبائع، لطائف و حکایات اور ملفوظات مصلح الامتؒ سے لبریز و معمور رہتی تھی۔ حضرت حکیم صاحب مفروضات اور موہوم تصورات کے اسیر اور لکیر کے فقیر نہیں تھے، وہ بالکل غیر روایتی طور پر سوچتے تھے، انکے قول و عمل اور گفتار و کردار میں یکسانیت و ہم آہنگی کا عنصر غیر معمولی طور پر پایا جاتا ہے۔ ان میں تواضع، انکساری، خدا ترسی، بے نفسی اور علم پوری کی پوری صفت بدرجہ اتم موجود تھی۔

طب یونانی پر لکھی گئی انکی سہ لسانی لغت (سنگم) اور ''وصی ڈکشنری'' انکا یہ عظیم الشان کارنامہ تاریخ میں سنہرے الفاظ سے لکھا جائیگا۔ اور اطباء اس سے ہمیشہ فائدہ اٹھاتے رہیں گے۔ حکیم صاحب اردو زبان، فارسی اور انگریزی زبان کے ماہر تھے۔ عربی زبان پر دسترس کا یہ عالم تھا کہ خود انکا بیان ہے کہ افریقیا الخضراء (شاداب افریقہ) کا ترجمہ کرتے وقت مجھے ایک مرتبہ بھی لغت اٹھانے کی زحمت نہیں ہوئی۔ اہل علم عربی زبان و ادب پر انکی قدرت کا اندازہ انکی آنے والی کتاب لغات الحدیث سے دیکھ کر لگا سکیں گے۔ حکیم صاحب نے یہ کتاب اس وقت تصنیف فرمائی جبکہ زندگی کا سورج تھک کر غروب ہونے کو ہے، اور ہاتھ میں رعشہ ہے، کتابوں سے مراجعت تو کجا، قلم کا چلنا بھی مشکل ہے، مگر الفاظ غریبہ کی تشریح اردو زبان میں

انتہائی سلیس اور زبان و بیان کی پوری رعایت رکھتے ہوئے کرتے ہیں۔

کسی بھی شخصیت کے ارتقاء میں جو چیز سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہوتی ہے وہ اسکے عناصر ترکیبی ہوتے ہیں۔ حکیم صاحب کی شخصیت کے عناصر ترکیبی میں جن نابغہ روزگار اور یگانہ وفرزانہ شخصیات کی کارفرمائی، جلوہ گر نظر آتی ہے ان میں سرفہرست والد ماجد محدث کبیر علوم انوری کے خوشہ چیں حضرت مولانا محمد ایوب صاحب علیہ الرحمہ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء کی تربیت اور مصلح الامت حضرت شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی کندن ساز اور جوہر شناش نگاہ اور انکے برگزیدہ اساتذہ کرام کی توجہات، یہ حسین امتزاج آپکی شخصیت کے ارتقاء میں انقلابی رول ادا کئے ہیں۔

آپ کا گھرانہ علم وفن کا گہوارہ ہے۔ ایک طرف والد محترم علم حدیث کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں تو دوسری طرف آپ کے بھائی حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن الاعظمی الندوی دامت برکاتہم عالم اسلام کی مشہور اسلامی دینی درسگاہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مہتمم اور وہاں سے نکلنے والے شہرہ آفاق مجلّہ البعث الاسلامی کے ایڈیٹر ہیں۔ حکیم صاحب آپ سے غیر معمولی محبت کرتے تھے، ''شاداب افریقہ'' کا انتساب آپ کی طرف کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں: یگانہ روزگار ادیب وصحافی مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی جنکی علمی آبیاری نے گلستان ندوہ میں ہزاروں پھول کھلائے، سیکڑوں سحبان اور احمد امین پیدا کئے، آج بھی عظمت ندوہ کے محافظین میں سرفہرست ہیں۔ انہیں کے نام سے اس حقیر سی تصنیف کا انتساب میرے دل کی آواز ہے۔ نیز آپ کا گھرانہ علوم اسلامیہ کے ساتھ ساتھ علوم عصریہ میں ایک نمایاں مقام رکھتا ہے۔ آپ کے سب سے چھوٹے بھائی ڈاکٹر مسیح الرحمٰن صاحب لکچرار شبلی نیشنل کالج، اعظم گڑھ اور موجودہ اکزامینر انٹیگرل یونیورسٹی، لکھنؤ اپنے فن کے شہسوار اور میدان کے غازی ہیں۔

(یہ سطریں میں نے مولانا ابصار الحق صاحب قاسمی مہتمم المعہد الاسلامی مئو کی فرمائش پر لکھی ہیں)

ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی

ڈاکٹر محمد الیاس الأعظمی
(رفیق اعزازی دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ)

ہمارے اسلاف میں متعدد ایسے اصحاب علم وکمال اور مصنفین گذرے ہیں جنہوں نے علم وتحقیق اور تصنیف وتالیف وترجمہ کے میدان میں تن تنہا وہ کارنامے انجام دیئے جو یورپ میں ادارے اور اکیڈمیاں انجام دیتی ہیں، ہمارے عہد کے ایک ایسے ہی اہل علم اور مصنف کا نام مولانا حکیم عزیز الرحمٰن اعظمی تھا، جنہیں اب مرحوم لکھتے ہوئے قلق ہوتا ہے، انہوں نے ۱۰ ستمبر ۲۰۰۹ء مطابق ۱۹ رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ کو طویل علالت کے بعد اپنے وطن مئو میں داعی اجل کو لبیک کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔

مولانا مرحوم کی شخصیت متعدد اوصاف وامتیازات سے عبارت تھی، وہ معلم، مصنف، مترجم، شاعر اور لغت نویس تھے۔ تصوف وسلوک اور بادۂ عرفان سے بھی شادکام ہوئے، طویل عمر پائی اور پوری زندگی درس وتدریس اور تصنیف وتالیف وترجمہ میں گذاری اور وہ کارنامے انجام دئے جنہیں ہماری تاریخ کبھی فراموش نہ کر سکے گی۔

وہ ضلع مئو کے رہنے والے تھے، ان کے والد مولانا ایوب صاحب ممتاز عالم، خطیب اور شیخ الحدیث تھے، چھوٹے بھائی مولانا سعید الرحمٰن الاعظمی دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم اور عربی زبان کے ادیب وانشا پرداز ہیں، ان کے ایک اور بھائی جناب مسیح الرحمٰن صاحب شبلی کالج اعظم گڑھ کے لائق استاذ رہے، اب انٹگرل یونیورسٹی کی خدمت میں مصروف ہیں، غرض:

ع این خانہ ہمہ آفتاب است

مولانا عزیز الرحمٰن اعظمی مرحوم اسی علمی خانوادے میں ۱۹۰۹ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی

تعلیم گھر پر ہوئی، جامعہ مفتاح العلوم مئو سے درس نظامیہ کی تکمیل کی، بعدازاں دارالعلوم دیوبند سے سند فراغت لی۔

تحصیل علم کے بعد ۱۹۴۴ء سے ۱۹۵۲ء تک ڈی اے وی انٹر کالج مئو میں اردو کے لکچرر رہے، اسی زمانہ میں ۱۹۵۰ء میں ہائی اسکول اور ۱۹۵۲ء میں انٹرمیڈیٹ کے امتحانات پاس کئے۔ تجارت کی طرف رغبت ہوئی تو ملازمت ترک کر کے ۱۹۵۲ء سے ۱۹۵۸ء تک باقی رکھا، اس کی یافت اطمینان بخش نہیں رہی تو اس سے کنارہ کشی کر لی اور حضرت مولانا شاہ وصی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے دامن فیض سے وابستہ ہو گئے، جن سے انہیں بے پناہ عقیدت و محبت تھی، یہی محبت انہیں الہ آباد لے گئی جہاں وہ ایک برس تک مقیم رہے، ان سے عقیدت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اپنے لغت کا نام انہیں کے نام پر رکھا اور دوسرے لغت سنگم کو انہیں کے نام معنون کیا۔

''میں اپنی اس کتاب کا انتساب مصلح امت حضرت مولانا وصی اللہ قدس سرہ کے نام کرنا اپنی سعادت سمجھتا ہوں، جنہوں نے یہ کہہ کر کہ تجارت میں کیا لگے ہو؟ تمہاری پیشانی میں علم ہے، مجھے علمی زندگی سے روشناس فرمایا۔

پیمبر نابے دارد کہ چشمش مے کدہ بارد
گلہ دیدم نہ دار دمے گسارس دست قسمت را

الہ آباد کے زمانہ قیام میں انہوں نے عربی فارسی بورڈ الہ آباد سے فاضل طب کا امتحان پاس کیا اور اپنے شیخ شاہ وصی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایماء پر دارالعلوم دیوبند کے شعبہ طب سے منسلک ہو گئے اور ترقی کر کے شعبہ اناٹومی کے صدر مقرر ہو گئے۔ یہاں ایک شفیق استاذ کی حیثیت سے طلبہ میں بے حد مقبول رہے، سانحہ دیوبند کے زمانے میں مادر علمی کو خیر باد کہا اور اپنے وطن مئو میں آ کر گوشہ نشین ہو گئے، مگر اس گوشہ نشینی میں انہوں نے یکہ و تنہا وہ کارنامہ انجام دیا جو عہد حاضر کے علماء و فضلا کے لئے نمونہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

انہیں مشرقی زبانوں اردو، عربی اور فارسی پر بڑا عبور حاصل تھا، چنانچہ انہوں نے کئی

کتابوں کو اردو کا جامہ پہنایا، اس میں خاتم النبیین، شاداب افریقہ اور ختامہ مسک وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں، خاتم النبیین علامہ انور شاہ کشمیری کی تصنیف ہے جو قادیانیت کی تردید اور اثبات حق کے لئے لکھی گئی تھی، فارسی میں ہونے کی وجہ سے استفادہ آسان نہیں تھا، اس لئے حکیم صاحب نے اسے اردو کا جامہ پہنایا اور ایک گراں قدر مقدمہ بھی سپرد قلم کیا جس میں ترجمہ کی روداد کے ساتھ خاص طور سے مرزا غلام احمد قادیانی کے الہامات اور پیشین گوئیوں کا جائزہ لیا ہے، اور اس کے کذب وافترا کو واضح کیا ہے۔

اسی طرح شاداب افریقہ مشہور اسلامی اسکالر محمد بن ناصر العبودی کی کتاب افریقیہ الخضراء کا اردو ترجمہ ہے، العبودی نے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے ایک ذمہ دار کی حیثیت سے مختلف افریقی ممالک مثلاً سوڈان، ایریٹریا، حبشہ، کینیا، صومالیہ، یوگینڈا، یورنڈی، زمبابوے، ٹنگانیاں، ملاوی اور کانگو وغیرہ کا اس غرض سے سفر کیا کہ یہاں کے مسلمانوں کی تعلیمی صورت حال کا جائزہ لیکر تعلیمی ترقی کے لئے ان کو تعاون دیا جاسکے، انہوں نے مذکورہ ممالک کے مسلمانوں کو قریب سے دیکھا، ان کے رہن سہن، بود وباش، تہذیب وتمدن، تعلیمی وسیاسی و اقتصادی ہر پہلو کا مطالعہ ومشاہدہ کیا اور اس کو سفرنامہ کی شکل میں قلم بند کیا، اس سے اس پورے خطے کی صورت حال سامنے آجاتی ہے، افادیت کے پیش نظر حکیم صاحب نے اسے اردو میں منتقل کیا ۲۰۰۲ء میں اسے مکتبہ فردوس لکھنو نے شائع کیا۔

ختامہ مسک علامہ ابن حزم اندلسی کی مشہور کتاب جوامع السیرۃ النبویۃ کا اردو ترجمہ ہے، اس کی افادیت کے پیش نظر حکیم صاحب نے اسے اردو میں منتقل کیا، پیش لفظ میں حکیم صاحب نے ترجمہ کے تین اسباب بیان کئے ہیں اور لکھا ہے کہ یہ کتاب مراجع سیرت میں ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب گرامی کو جس تفصیل سے لکھا گیا ہے اس کی دوسری مثال نہیں ملتی۔

اس کے علاوہ انہوں نے کئی اور کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا، مگر اس میں سے بعض ضائع ہوگئیں اور بعض طباعت کے مراحل سے نہ گزر سکیں۔

تصنیف وتالیف کے میدان کا ان کا بڑا کارنامہ تدوین لغت ہے، اوپر وصی میڈیکل ڈکشنری کا ذکر آچکا ہے، ڈیڑھ ہزار صفحات پر مشتمل یہ لغت اکتالیس ہزار الفاظ واصطلاحات طب کا مجموعہ ہے، اس قدر طبی الفاظ واصطلاحات انگریزی کی جمع وتدوین اور پھر ان کے اردو متبادل کی تلاش وتعین بڑا دشوار امر ہے، اور سچ تو یہ ہے کہ یہ تنہا ایک شخص کا کام نہیں، مگر حیرت ہوتی ہے حکیم صاحب کی محنت، اور لگن پر کہ انہوں نے تنہا یہ کارنامہ خرابی صحت اور پیرانہ سالی کے باوجود انجام دیا۔

یہ لغت دو حصوں پر مشتمل ہے، دوسرے حصہ میں اردو مصطلحات طب کا انگریزی میں ترجمہ ہے، جو اسی طرح ضخیم اور مفید معلومات کا مجموعہ ہے، اسے قومی کونسل برائے فروغ اردو دہلی نے شائع کرنے کا ذمہ لیا تھا، کمپوزنگ بھی ہوگئی تھی، پھر معلوم نہیں وہ شائع ہوا یا نہیں، اس سلسلے کا ان کا ایک اور کارنامہ سہ لسانی انگلش، عربی، اردو سنگم لغت ہے، جو تین ضخیم جلدوں اور ۲۲۰۰ صفحات پر مشتمل ہے، اس میں ہزاروں انگریزی الفاظ ومشتقات کے ہم معنی ومتبادل عربی واردو میں مستعمل الفاظ درج ہیں، اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ انگریزی سے بھی بخوبی واقف تھے، ان کی لغات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کی باریکیوں پر گہری نظر رکھتے تھے، اسکے بعد انہوں نے لغات حدیث مرتب کی، لیکن وہ اب تک شائع نہیں ہوسکی، خدا کرے وہ جلد شائع ہوجائے۔

جس طرح وہ علم وفضل میں بلند رتبہ تھے، اسی طرح زہد وورع میں بھی وہ مثالی نمونہ تھے، صوم وصلاۃ اور شریعت کے بڑے پابند تھے، اوراد وظائف کا بھی سلسلہ تھا، نیکی اور خدا ترسی میں بھی وہ بڑھے ہوئے تھے، عرصہ تک ان کی آواز بیٹھی رہی، اس زمانہ میں ایک مرتبہ ملاقات ہوئی تو دیکھا کہ پہلے کے مقابلہ میں صحت اچھی اور آواز زیادہ صاف ستھری ہے، وجہ دریافت کی، تو انہوں نے بتایا کہ ایک تو خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ میں زیارت ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے گفتگو فرمائی، میں نے خرابی صحت کا شکوہ کیا، اسی دن سے میری صحت اچھی ہے اور آواز بھی کسی قدر صاف ہوگئی ہے۔

ان کا طور طریقہ اور رہن سہن سلف کا نمونہ تھا، جس طرح وہ علمی کام یکہ وتنہا انجام

دیتے، اسی طرح اپنے ذاتی کام بھی خود کرتے تھے، اور دوسروں سے خدمت لینا انہیں گوارا نہ تھا، اکثر بازار سے سودا سلف بھی خود لایا کرتے تھے، واقعہ یہ ہے کہ ان کو دیکھ کر سلف کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔

جس زمانہ میں راقم ماہنامہ الرشاد کا معاون مدیر تھا اور نئی کتابوں پر تنقید و تبصرہ پابندی سے کیا کرتا تھا، حکیم صاحب بڑی محبت سے اپنی نئی کتابیں نقد و تبصرہ کے لئے بھجواتے اور اپنے خطوط میں تعریف و تحسین کے کلمات سے حوصلہ افزائی کرتے، اس سلسلہ کے ان کے بعض خطوط ماہنامہ الرشاد میں شائع ہوئے، راقم نے ان کی مندرجہ ذیل کتب و تراجم پر تبصرہ لکھا جسے انہوں نے بہت پسند کیا۔ (۱) ترجمہ خاتم النبیین از مولانا انور شاہ کشمیری (۲) شاداب افریقہ (۳) وصی میڈیکل ڈکشنری (۴) سنگم ڈکشنری (۵) ختامہ مسک۔

انہیں ترجمہ نگاری پر بڑا عبور حاصل تھا، وہ اکثر کسی نہ کسی کتاب کا ترجمہ کرتے رہتے تھے، خاص طور سے سیرت کی کتابوں سے انہیں بڑی دلچسپی اور لگاؤ تھا، میں نے ان کے بعض ترجموں پر طالب علمانہ قسم کی تنقیدیں کیں (۱) تو انہوں نے اس کو برا نہیں مانا، دراصل وہ بڑے وضع دار اور بڑے بلند رتبہ شخص تھے، صلہ و ستائش کی کبھی انہوں نے پرواہ نہیں کی، ان کا مقصد زندگی محض کام کرنا تھا، وہ پیچھے مڑ کر دیکھنے والے شخص نہیں تھے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے بڑے بڑے کام کر ڈالے اور کسی رخنہ میں یا بحث و مباحثے میں وقت ضائع نہیں کیا۔

کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ وہ ایک پختہ مشق اور قادر الکلام شاعر بھی تھے، شعر و ادب سے انہیں ابتداء ہی سے دلچسپی تھی، اردو عربی اور فارسی میں ان کا دیوان تھا جو سانحہ دیوبند کے زمانہ میں کسی کے ہاتھ لگ گیا، البتہ وہ کم گو تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کا مجموعہ کلام مرتب نہ ہوسکا، ان کی اردو شاعری کا نمونہ یہ ہے:

بجز جمال محمد بجز حدیث نبی — تمام پیکر ظلمت تمام تشنہ لبی
فسردگی گلستاں مری نگاہ میں ہے — نہ کھا سکیں مری آنکھیں [illegible]
حرم نہیں کہ جہاں شور ہا و ہو ہوگی — یہ کوئے یار ہے یاں کب مجال بے ادبی

وہیں سے حسن کو رعنائیاں نصیب ہوئی　　جہاں سے عشق نے پائی فغان نیم شبی

ان کا فارسی کلام بھی بلند رتبہ ہے۔

طب کی تعلیم انہوں نے ضمنا حاصل کی تھی، تاہم اپنی محنت، ریاضت اور ذہانت کی بدولت اس میں بڑا کمال پیدا کیا، امراض صدر اور کتاب الرحمۃ وغیرہ ان کی تصنیفات سے طب میں ان کی مہارت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ کئی اور کتابوں مثلاً مآثر امام اعظم، سوانح عطار، سوانح ابو ہریرہؓ، سوانح فراہی، شہباز ریگزار، اسلام: عقیدہ اور شریعت کی روشنی میں، ترجمہ قصیدہ باب صنعاء وغیرہ کا ذکر بھی ان کی تصنیفات کے ضمن میں ملتا ہے۔

ان کا حلیہ اثر انصاری کے لفظوں میں یہ تھا۔

''صاف رنگ، موزوں قد، دبلا لیکن صحت مند بدن، کشادہ پیشانی چہرہ پر بقدر ضرورت داڑھی اور مونچھیں، نفاست پسند، شوخ مزاج، خوش گفتار، خوش کردار، شاعر بھی، عالم بھی گویا:

ع　رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی''۔(۲)

یہ ۱۹۷۲ء کا حلیہ ہے، ہم نے جب انہیں دیکھا، دھان پان، دبلا بدن، چہرہ باریش ور پر رونق، کسی صوفی سے کم نہیں، آنکھوں سے ذہانت اور پیشانی سے بزرگی صاف نمایاں تھی۔ ان کے اندر کا شاعر مر چکا تھا، صرف علوم سیرت، لغت، اور احادیث کا ذکر لب پر تھا اور اس طرح تھا کہ گویا:

ع بلبل چہک رہا ہو ریاض رسول میں

غرض حکیم صاحب ایک جامع کمال شخص تھے، ان کی خاکساری، وضع داری، للّٰہیت، خدا ترسی کے ساتھ ان کی علمی خدمات ہمشیہ یاد رکھی جائیں گی۔

حوالے

(۱) ماہنامہ الرشاد اعظم گڑھ۔ مئی ۲۰۰۱ء ص ۳۸

(۲) تذکرہ سخنوران مئوص ۵۰۔ اثر انصاری۔ نکھار پبلی کیشنز مئو۔ ۱۹۸۱ء

مولانا حکیم عزیز الرحمٰن اعظمیؒ

بحیثیت شاعر

مولانا محمد ابصار الحق قاسمی
(ناظم المعہد الاسلامی مئوناتھ بھنجن)

کچھ ایسے بھی اٹھ جائیں گے اس بزم سے جن کو
ہم ڈھونڈنے نکلیں گے مگر پا نہ سکیں گے

دنیا میں بہت کم ہی لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں بیک وقت کئی الگ الگ فنون پر ملکہ حاصل ہوا، انسان کے نبض شناس اور ہوتے ہیں، انسانیت کے نبض شناس اور ہوتے ہیں۔
مجاہدین قلم میں سے بہت سے ایسے ہوتے ہیں جن کی قلمی کاوشیں کاغذ کے لئے کم پڑتی ہیں، انہیں میں سے کچھ ایسے ہوتے ہیں جن کے لئے کاغذ کم پڑ جاتا ہے۔ عام طور پر نثر نگاری کرنے والے تخلیقی شعور سے محروم ہوتے ہیں لیکن کچھ خاص اہل قلم ایسے ہوتے ہیں جنہیں قدرت کی جانب سے علم کے ساتھ ساتھ تخلیقی شعور بھی عطا کیا جاتا ہے۔ اور ان میں سے بھی کچھ خاص ایسے ہوتے ہیں جنہیں تخلیقی شعور کے ساتھ موزونیت بھی ودیعت کی جاتی ہے اور ان میں سے بھی کچھ خاص ایسے ہوتے ہیں جو اپنی موزونیت کو پورے رموز ونکات کے ساتھ بروئے کار لاتے ہیں۔ اور۔ انہیں خاص اہل قلم میں سے ایک نام ہے مخدوم ومکرم مربی محترم حکیم عزیز الرحمٰن اعظمی کا جنہوں نے نہ صرف انسان کی نبض شناسی کی۔ بلکہ انسانیت کی بھی نبض کو پہچانا، لسانیات کی نباضی کی، علم وفن کے گہرے سمندر کی تہہ میں اتر کر صدف کے بطن سے موتیاں برآمد کیں اور ان موتیوں سے نگاہوں کو خیرہ کر دیا۔ علم وفن کے اس عظیم شناور نے جہاں

نثری نگارشات کے ذریعہ کاغذ کو تنگ داماں ثابت کردیا اور اتنا کچھ لکھا کہ نہ صرف کاغذ کم پڑ گیا۔ بلکہ ان کی اپنی ۹۵ سالہ زندگی بھی کم پڑ گئی وہیں مرحوم نے شعروادب کے میدان کو بھی مایوس نہیں کیا اور اپنی شعری تخلیقات کے ذریعہ یہ ثابت کردیا کہ اگر باقاعدہ شاعری کو مشغلہ نہ بنا کر معمولات کے کچھ لمحے بھی انہوں نے شعروسخن کے لئے وقف کئے ہوتے تو نہ صرف یہ کہ صاحب دیوان شاعر ہوتے بلکہ صاحب طرز شاعروں میں نمایاں مقام حاصل کرتے۔

حکیم صاحب مرحوم کی اردو، عربی اور فارسی شاعری کی باضابطہ الگ الگ مرتب شدہ بیاضیں اس وقت ضائع ہوگئیں جب وہ دارالعلوم دیوبند کے جامعہ طبیہ میں استاذ تھے اور دارالعلوم دیوبند کا جانکاہ حادثہ پیش آیا۔ مرحوم اپنے علمی اثاثوں کے اتلاف سے اتنے زیادہ دل برداشتہ نہیں تھے جتنے دارالعلوم دیوبند کے حادثہ کا انہیں قلق تھا۔

مرحوم کی شاعرانہ اور تخلیقی صلاحیتیں ان سے ملاقاتوں کے دوران پوری طرح جلوہ بکھیرتی تھیں۔ اور گفتگو میں بیباکی اور جوابات کی برجستگی ان کی علمی اور تخلیقی صلاحیتوں کا آئینہ ہوا کرتی تھی، مرحوم کا تعلق بہرحال ایک ایسے خانوادے سے تھا جہاں علم کے روشن چراغ سے نئے چراغ جلانے کی روایت تھی اور اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔

مرحوم حکیم عزیز الرحمٰن اعظمی شیخ الحدیث مولانا محمد ایوب اعظمی کے بڑے صاحبزدے، اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم اور ''البعث الاسلامی'' کے چیف ایڈیٹر اور انٹگرل یونیورسٹی کے چانسلر ڈاکٹر مولانا سعید الرحمٰن الاعظمی الندوی حفظہ اللہ اور ڈاکٹر مسیح الرحمٰن کے بڑے بھائی تھے، اور مولانا محمد ایوب اعظمی کے خانوادے کے اس بڑے فرزند نے بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے جن کا حوالہ بہت سارے مضامین میں موجود ہے۔ ان سب کے علاوہ انہوں نے فنون شاعری پر جو عبور حاصل کیا اور جس سلیقے سے عربی زبان اور فارسی زبان میں اہل زبان کی طرح شاعری کر کے دنیائے شعروادب کے سرمایہ میں اضافہ کیا وہ اپنی مثال آپ ہے، عربی اور فارسی شاعری میں ان کی قادرالکلامی ٹھیک ویسی ہی تھی جیسے اردو زبان کی شاعری میں، ساتھ ہی ان کی شاعری میں خیال آفرینی کے جو عناصر کارفرما دکھائی دیتے ہیں ان سے بھی یہ اندازہ بخوبی لگایا

جاسکتا ہے کہ جب انہوں نے عربی زبان میں شاعری کی تو عربی ہی زبان میں سوچا، فارسی میں شاعری کی تو فارسی ہی زبان میں سوچ کر خیالات کی شیرازہ بندی کی، جو بہت بڑی بات ہے۔

انہوں نے جب مدحت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے جذبات کو موزونیت دی تو خیال کی ندرت آفرینی کے ساتھ کچھ اس طرح نعت سرا ہوئے۔

بتاؤں کہ کیا میں مدینے کی گلیاں — کسی کا پتہ ہیں مدینے کی گلیاں
ستاروں نے ذروں کو پلکوں پر رکھا — بڑی پر ضیاء ہیں مدینے کی گلیاں
حقیقت جو پوچھو تو تم کو بتاؤں — حقیقت نما ہیں مدینے کی گلیاں
نگاہوں میں ہے آرزوئے مدینہ — دلوں کی دوا ہیں مدینے کی گلیاں
کہو جا کے بیمار ہجر نبی سے — کہ دارالشفاء ہیں مدینے کی گلیاں
قبول خدا ہو مری بندگی بھی — صلے میں عطا ہوں مدینے کی گلیاں

نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں محویت کے عالم کو سعادت دارین اور سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم انسانیت کے لئے باعث امن و امان اور فلاح دارین محسوس کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

خدائے مہرباں منزل بہ منزل — رہا رحمت نشاں منزل بہ منزل
دوائے درد جاں منزل بہ منزل — شفائے جاوداں منزل بہ منزل
نظر میں قبہ شاہ امم ہے — گل ہائے جناں منزل بہ منزل
مرے تاریک دل کی روشنی ہے — وہ نور کن فکاں منزل بہ منزل
بلا لیجے مجھے اے مرے آقا — مجھے اپنے یہاں منزل بہ منزل
ہزاروں بار لاکھوں بار رحمت — برآن شاہ جہاں منزل بہ منزل
جبیں کا ایک حصہ ہوچکا ہے — خیال آستاں منزل بہ منزل

حکیم صاحب مرحوم کی جولانی طبع نے جب مسجد قبلتین میں شہ کونین کی بارگاہ میں نذرانہ پیش کیا تو درج ذیل اشعار ادب عقیدت کا اثاثہ بنے۔

اور جب پروردگار نے منزل بہ منزل طیبہ میں حاضری کا شرف بخشا اور گنبد خضریٰ کی رعنائیاں دل میں اترتی گئیں تو عظیم مصنف کے اندر کے شاعر نے اپنے احساسات کو کچھ اسطرح شاعری کا پیراہن عطا کیا۔

مدینے کے دن رات اللہ اکبر — مدینے کی کیا بات اللہ اکبر
دل وجان وایمان حضور نبی ہیں — رسوم اور نہ بدعات اللہ اکبر
یہاں آکے سب امتی مل گئے ہیں — یہاں کی ملاقات اللہ اکبر
محبت کا راہی مدینے کی راہیں — ہزاروں سوالات اللہ اکبر
خدا کے حرم سے نبی کے حرم تک — عبادات وطاعات اللہ اکبر
نہ اسود نہ احمر یہاں سب برابر — نہ فخر ومباہات اللہ اکبر
زمیں پر حکومت زمانہ مسخر — دلوں کی کرامات اللہ اکبر
یہ امت کی آہیں یہ امت کے آنسو — بروز مکافات اللہ اکبر
مری چند آہیں مرے چند آنسو — محبت کی سوغات اللہ اکبر

اپنی چند آہوں اور چند آنسوؤں کو محبت کی سوغات بنانے والے اس شاعر کو چونکہ کئی زبانوں پر عبور بخشا گیا تھا، اس لئے جہاں اردو زبان میں مدحت رسول کے گل کھلائے گئے وہیں بہ زبان فارسی بھی اپنے جذبات کو قلمبند کرتے ہوئے لکھا۔

در پیش رخت مہ نہ سزد تاب زن راہ — او کوست برش بانگ نماید ارنی را
آدم شدہ مسجود ملائک زوجودش — جبریل دہد بوسہ حریم مدنی را
برقامت زیباش قبا بوئے گلاب است — گوئید کہ گل ترک کند گل بدنی را
از جوشِ کرمہائے او در سلک صحابہ — ورہ چہ مقام است اویس قرنی را

عالی جناب حکیم ایوب علی صاحب علی گڑھ کے پوتے کی پیدائش پر کہا:

خوشا نوید کہ فائز مرام پیدا شد — بہ خاندان یکے تیز گام پیدا شد
برائے روشنیٔ کاروانِ ایوبی — زہے نصیب کہ ماہ تمام پیدا شد

اردو کے مشہور نقاد ڈاکٹر شمس الرحمٰن فاروقی کو پدم شری ایوارڈ سے نواز اگیا تو انہیں مبارکباد دیتے ہوئے ایک خط میں اس شعر سے مخاطب کیا:

پدم شری نبود شائگان عظمت تو　　مگر قبول تو برتر نہاد رفعت او

مولانا ضیاء الدین اصلاحی کے نام ایک مکتوب میں معارف کے نئے شمارہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے شذرات پر اس شعر کے ذریعہ تبصرہ کیا:

ضیاء الدین اصلاحی کے شذرات　　کہ جیسے دن نکل آیا گئی رات

مرحوم حکیم عزیز الرحمٰن الاعظمی کے بارے میں اگر کوئی یہ نہ بھی بتائے کہ وہ راہ سلوک و معرفت کے بھی راہی تھے تو بھی ان کی شاعری کا مطالعہ کرنے والے بخوبی احساس کر سکتے ہیں کہ اس شاعر میں ایک صوفی منش عارف باللہ بھی موجود ہے۔ وہ راقم طراز ہیں۔

کلید کون ومکاں لاالہ الا اللہ　　کشود کار جہاں لاالہ الا اللہ
صنم کدے سے چلیں پھر ہوائیں وحدت کی　　شمیم گلبدناں لاالہ الا اللہ
بیان حیلہ نا معتبر کتاب فقیہ　　ہے صوفیوں کی فغاں لاالہ الا اللہ
حدیث بے بصراں ہے رہین شرح بسیط　　قلندروں کی زبان لاالہ الا اللہ
فرات عیش ومسرت ہے آگ کا شعلہ　　سکون سوز نہاں لاالہ الا اللہ
سرور پیرش ولندن فروغ بتخانہ　　نوائے مطرب جاں لاالہ الا اللہ

نباض انسانیت اور فکر ملت کے عکس ونقوش اور حالات پر نگاہ رکھنے کا شعور ایک نظم کی شکل میں نظر نواز ہوا جس سے اندازہ ہوا کہ مرحوم کی حساسیت ملک کے مسلمانوں کے حالات پر کافی رنجیدہ اور ملول ہے وہ اپنی ایک نظم مسلسل میں اپنے کرب کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

چمن والوں نے مل کر لوٹ لی روداد جاں ہم سے
بھلا کیسے بیاں ہو پائے غم کی داستاں ہم سے

مسلماں اس چمن میں سبزۂ بے گانہ ہے گویا
کبھی بھارت سے ہم تھے، اور تھا ہندوستاں ہم سے

بڑے تکلیف دہ رنجیدہ کن ہیں دل کے افسانے
سنا چاہو تو سن لو آج غم کی داستاں ہم سے

ترے دامن پہ بہتے ہیں ہزاروں خون ناحق کے
بتا ظالم! بتا! چھپ کر تو جائے گا کہاں ہم سے

کمندیں ڈالتا ہے ہم پہ ہر ذرہ بیاں باں کا
کبھی سہمے تھے چاند سورج پرنیاں ہم سے

قیادت کے لئے بڑھنے لگے ہر سمت آوارے
امامت چھیننے آئے ہیں ننگ دو جہاں ہم سے

گزاری ہم نے چوتھائی صدی جس جس اذیت سے
غلامی دے کے کوئی چھین لے آزادیاں ہم سے

حکیم عظیم الرحمٰن الاعظمیؒ نے انتہائی عقیدت واحترام کے ساتھ نہایت والہانہ انداز میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی خدمت میں یہ اشعار لکھے تھے جب وہ افریقہ کے طویل سفر سے واپس ہوئے تھے۔ ملاحظہ فرمائیں:

سراپا دید مسلماں ہے ہر نظر تیرا — ہلال نو سے مشابہ ہے ہر سفر تیرا
چھپا سکیں گے تجھے کیا یہ راستے کے غبار — جبیں پہ نقش اُنا قاسمٌ کے ہیں انوار

نظر میں ژرف نگاہی کی ایک بستی ہے — بلندیوں سے بھی اونچی یہ تیری پستی ہے
امیر قافلہ اہل دیوبند ہے تو — نسیم بڑھ نہ سکی جس سے وہ سمند ہے تو
اگر شباب تھا تفسیر احسن تقویم — نقوش پیری بنے جلوہ گاہِ نور قدیم
عطائے تھانہ بھون ہے یہ قدرت تفہیم — رسائے طبع منور، زنور ابراہیم
زباں شگفتہ ،وشستہ زکوثر تسنیم — ادائیں خلق مروت شاہکار عظیم
کشود پرچم ایماں تیرا شعور حیات — ہے ٹھوکریں لیے عہد آفریں لمحات
حدیث عشق نبیؐ تیرا ذوق حال رہے — پھر اس میں رشک کی غیروں کو کیا مجال رہے
بہ یک نگاہ تو پیہم کہ ذرہ مہر شود — زمیں بہ زیر قدم ، منزل سپہر شود

مرحوم حکیم صاحب کی ایک طویل نظم کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں، جسمیں واقعہ کربلا کی عکاسی کی ہے۔

ہر گھڑی افلاک پر رہتی ہے جسکی گفتگو — ہے رہین کارگاہ عالم بے کاخ وکو
ساقی کوثر نے ڈھالا جسکو اپنے ہاتھ سے — اہلِ حق کرتے ہیں جس مینائے الفت سے وضو
یعنی وہ ابن علی جان جہان آبرو — کر گیا شاداب باغ حریت جسکا لہو
کربلا کا دیکھ کر دلدوز وخوں افشاں سما — چشم انجم آج بھی روتی ہے شبنم کا لہو
جس کے آثار قدم سے جاں نثاری دہر میں — وجہ سرمستی بنا جس کی شہادت کا لہو

مرحوم حکیم عزیز الرحمٰن اعظمی نے بہت ساری اصناف سخن پر طبع آزمائی کی اور اپنی جولانی طبع کے جوہر دکھائے ۔نعت گوئی ایک نازک صنف سخن ہے اور غزل کے شاعروں کے لئے انتہائی مشکل ۔لیکن ایک متبحر عالم دین کے لیے نعت گوئی ذہنی مطابقت رکھتی ہے جبکہ غزل گوئی نازک صنف سخن ثابت ہوتی ہے۔اور اپنے عالمانہ وقار کو قائم رکھتے ہوئے اس صنف سخن کو نباہنا مشکل ہوتا ہے۔لیکن مرحوم حکیم صاحب کی مرنجاں مرنج شخصیت نے اس مشکل کو بھی بڑی آسانی سے حل کیا اور اپنے عالمانہ وقار کو برقرار رکھتے ہوئے انہوں نے خوبصورت انداز میں غزل کی شاعری کرتے ہوئے کہا:

تھے جو بیگانہ کبھی وحشی غزالوں کی طرح
ہم سے مانوس ہیں اب چاہنے والوں کی طرح

رات کی گود میں بکھرے ہوئے تاروں کے کنول
بن ترے لگنے لگے زہر کے پیالوں کی طرح

میری آہیں، مرے آنسوں، مری الفت، مرا پیار
اب بھی مشہور ہیں دنیا میں مثالوں کی طرح

آ بھی جاؤ کہ بنے کعبہ الفت سینہ
یک عرصہ سے ہے دل ٹوٹے شوالوں کی طرح

مرحوم حکیم صاحب، ایک خوبصورت غزل میں یوں اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں:

سبھی سیر ہو رہے ہیں تری چشم مے اثر سے
مرے لب بھی ہیں پیاسے، کوئی بوند ادھر بھی برسے

یہ نشاط تیز گامی، تجھے ہم سفر مبارک
مری اوجھ زندگانی، ہیں شکستہ بال و پر سے

یہ ستارے دیپ بنکر، رہے کہکشاں میں چمکے
وہیں باغ اگ گئے ہیں وہ گذر گئے جدھر سے

نئے اشارے، نئے کنائے، سلجھا ہوا لہجہ، خوبصورت انداز بیاں، شستہ مفاہیم، لفظوں کے پیرہن میں نثر نگاری کے تجربات کی پرچھائیاں، زمانہ کے تجربات کا پرتو اور حالات سے لڑنے کا پیغام دینے والے شاعر نے اضمحلال کی نفی کرتے ہوئے، دل کی پرورش گاہ کا انوکھا پہلو اجاگر کیا۔ اور کہا:

مدتوں رہ گئے آشوب تمنا کے اسیر
جب بھی پائی ترے دامن میں اماں پائی ہے

مضمحل کیوں ہو زمانے کی ستم کیشی سے
دولت فکر رسا طبع جواں پائی ہے

نازہ پروردہ آلام و جفاکشی ہے
پرورش دیکھئے دل نے بھی کہاں پائی ہے

حسن طناز سے کہہ دو کہ ذرا اور بڑھے
شادائے عشق کہ چشم نگراں پائی ہے

ایک شاعر کی جنوں پروری اور واعظ سے محاذ آرائی بھی ان کے اشعار میں جلوہ فرما ہے، ساقی کی نظروں کی تاثیر اور اسکی محبت کے زیر سایہ فیضیاب ہونے کا سبق بھی ملتا ہے۔

واعظ کو میر ہو کہاں خوشہ تر میں
وہ لطف جو ہوتا ہے مئے شعلہ اثر میں

کیا جانئے کیا لطف ہے ساقی کی نظر میں
ڈوبا ہوا عالم ہے محبت کے اثر میں

اک برق جہاں تاب ہے ظالم کی نظر میں
شعلہ سا لپکتا ہے ابھی قلب و جگر میں

سطور بالا میں نقل کئے جانے والے اشعار کے علاوہ بھی بہت ساری غزلیں، نظمیں اور قطعات نعتیہ کلام اور سلام وقصائد مرحوم کے ذخیرہ علم وادب میں موجود ہیں جو آئندہ کتابی شکل میں منظر عام پر لائے جائیں گے، سردست مرحوم کی شعری صلاحیتوں کا اجمالی تعارف پیش کرتے ہوئے۔ اس روشن چراغ کے اجالوں کو خراج عقیدج پیش کرنے کی حقیرسی کوشش نذر قارئین ہے۔ تاکہ پرانے چراغوں سے نئے چراغوں کو بھی کچھ روشنی ملے۔

''محرم اسرارِ عشق وعلم دیں تجھ کو سلام''

۱۹۱۹ء میں طلوع ہونے والا علم وفن کا یہ ماہ منور تمام عمر قرطاس وقلم کو روشن کرتا ہوا گذشتہ ۱۰ر ستمبر ۲۰۰۹ء۹ کو غروب ہوگیا، اور چھوڑ گیا اپنے پیچھے اپنے علمی کارناموں کی شفق۔ ایسی شفق جو تشنگان علم وفن کی سیرابی کا سامان بھی ہے اور مرحوم کو زندہ جاوید رکھنے کی ضمانت بھی۔

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

مولانا حکیم عزیز الرحمٰن اعظمیؒ

کی تحریر کے چند نمونے

عطاء الرحمٰن اعظمی ندوی

"سفر ضروریات انسانی میں ہے، اس سے سفر کرنے والے کی عزیمت، بردباری، صعوبتوں پر صبر واستقلال اور پامردی کا پتہ چلتا ہے، سفر میں نت نئے تجربے ہوتے ہیں، جس سے زندگی گذارنے کی نئی راہیں کھلتی ہیں، ابتداءً یہ سفر تجارت کیلئے ہوتا تھا۔ چنانچہ قریش کے سفر کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے، اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے اسفار کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے، پھر ذوالقرنین جنہوں نے اس وقت کی معلوم دنیا کا مشرق سے مغرب تک کا سفر کیا، اجنبی قوموں سے ملاقات، پھر ان کی کارکردگی کا تفصیل سے قرآن کریم میں ذکر ہے، نبوت سے پہلے جناب نبی کریم ﷺ کے اسفار، نبوت کے بعد چند مسلمانوں کا اسفار حبشہ وغیرہ کا ذکر حدیث میں موجود ہے۔

تیسری صدی تک مسلمانوں کے اسفار طلب حدیث وفقہ کیلئے عمل میں آتے رہے یا دنیا کے ان حصوں تک جہاں اسلام نہیں پھیلا تھا، تبلیغ اسلام کیلئے سفر ہوتے رہے، یا ممالک غیر مفتوحہ کو زیر نگیں لانے کیلئے ہوتے تھے، مگر سفر نامے کی ترتیب چوتھی صدی سے نظر آتی ہے، سب سے پہلے ناصر خسرو نے اس پر توجہ دی، پھر اس کے بعد سفر کرنے والوں میں سلام ترجمان، ابن موسیٰ منجم، سلیمان سرافی، ابن وہب قرشی، ابن فضلان، مسعودی، بزرگ ابن شہریار، مقدسی ادریسی، اسامہ بن منقذ، یاقوت حموی، ابن سعید خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

پانچویں صدی کے اخیر میں ابن جبیر جیسا بالغ نظر ادیب اور شاعر، جس کی موت بھی اسکندریہ میں دوران سفر ہوئی، اس کے سفرنامے کی ترتیب خود اس سے نہیں ہوسکی، بلکہ اس کے رفقاء اور ہم رکاب لوگوں نے ترتیب دیا، پھر ابن بطوطہ کا ذکر آتا ہے، جس نے ستائیس سال کی طویل مدت سفر میں گذاری، تعلیم بھی حاصل کی، معاش کے ذرائع بھی اپنائے، چار حج کئے، سفارت و وزارت جیسے باوقار مناصب اپنے سفر میں حاصل کئے، چین سے لیکر اندلس تک کے سبھی ممالک کا سفر کیا، اس کے سفرنامے میں پوری تفصیل کے ساتھ موجود ہے، اس حیثیت سے وہ اور بھی قابل قدر ہے کہ وسائل حمل ونقل کی کمی اس کے سفر میں حائل نہیں ہوئی، ابن بطوطہ نے اپنے سفر میں ہر ملک کا جغرافیہ، پہاڑ، ندی، نالے، جھرنے، بحیرات، جنگلات پھر باشندوں کے حالات، زبان، نسل، پیشہ، رہائش کا انداز غرض سبھی چیزوں پر بحث کی ہے۔

چودھویں صدی کے آخری زمانے میں علامہ زماں نابغۂ دوراں محمد بن ناصر عبودی کا سفرنامہ ہے، انہوں نے افریقہ کے ہر علاقہ کا سفر کیا، مزید برآں ذیل کے ممالک کا سفر کیا:

۱۔مڈگاسکر ۲۔مالدیپ ۳۔بنگال ۴۔سیلون کولمبو ۵۔نیپال ۶۔برازیل، جنوبی افریقہ ۷۔ارجنٹائینا ۸۔برازیل استوائی ۹۔یوگوسلاویہ ۱۰۔روس ۱۱۔البانیا ۱۲۔چین ۱۳۔جنوبی افریقہ

ہر ممالک کا سفرنامہ نہایت تفصیل کے ساتھ مرتب کیا، جو الگ الگ جلدوں میں مطبوعہ صورت میں دیکھنے میں آیا، اس طرح انہوں نے دس ہزار صفحات اپنے سفرنامے کے لکھے ہیں، آپ کا یہ سفر اگرچہ تبلیغ اسلام اور رابطہ اسلامی کے تحت تھا، مگر ہر سفرنامہ ایک دستاویز ہے، جو رہتی دنیا تک مطالعہ کرنے والوں کے کام آئے گا، اس میں موصوف نے ہر ملک کے مسلمانوں کا حال ان کی تعداد، ان کا معیار زندگی، تعلیمی جدوجہد پھر ان ممالک کے باشندوں کا رنگ وروپ، زبان، لباس، مکانات کی تعمیر کا انداز، ان کی صنعت وحرفت، معدنیات وہاں کے آبشار، بحیرات، سمندر، باشندگان کی اقتصادی حالت، سیاسی شورشیں، اور ہر چیز کا بالاستیعاب ذکر کیا، اور ایسا لگتا ہے کہ جن ملکوں کی سیاحت انہوں نے کی ہے، اس کو پورے

طور سے کھنگالا ہے، بلکہ یوں کہئے کہ ہر ذرہ کو تولا ہے، اور ہر قطرے کو ناپا ہے۔ ۱۹۷۱ء میں ان کا سفرنامہ ''افریقیا الخضراء'' دارالعلوم دیوبند میں ہاتھ آ گیا، میں نے اس خیال سے کہ اردو میں سفرناموں کی کمی ہے، صدی کے آغاز میں علامہ شبلی نعمانی کا سفرنامہ مصر وروم اور صدی کے اخیر میں مولانا تقی عثمانی کا سفرنامہ جو بیس ملکوں پر مشتمل ہے، میرے نظر سے گذرا، خود میری مالی حالت اور ذرائع سفر ایسے نہ تھے کہ میں کسی ملک کا سفر کر کے وہاں کے حالات معلوم کرتا، ان دونوں چیزوں نے مجھے عبودی صاحب کے سفرنامے افریقیا الخضراء کے ترجمے پر آمادہ کیا، مولانا بدرالحسن قاسمی جن سے میرے تعلقات شگفتہ تھے کی ملاقات عبودی صاحب سے دارالسلام عمرآباد کے اجلاس میں ہوئی، انہوں نے عزیز موصوف سے اپنے سفرنامے کے ترجمے کیلئے کہا، اس کا ذکر جب انہوں نے مجھ سے کیا تو میں نے ان سے کہا کہ اس کا ترجمہ میں ایک سال پہلے کر چکا ہوں، انہوں نے میرے ترجمے کو بالاستیعاب دیکھا، اور پسند کیا۔ میرے مالی حالات ایسے نہ تھے کہ سفرنامہ چھپ سکتا، مالی حالت کا ذکر میرے قدیم کرم فرما ڈاکٹر سید عبداللہ عباس ندوی معتمد تعلیمات ندوہ کے سامنے آ گیا، ان کی علم نوازی وکرم گستری کے صدقے جائیے کہ میری مالی مشکلات حل ہوگئیں اور اب یہ کتاب آپ کے سامنے ہے'' (عرض مترجم شاداب افریقہ: ۴۔۵۔۶)۔

ترجمہ نگاری کا ایک نمونہ

''سہ شنبہ ۱۴/۶/۱۹۶۸ء مطابق ۲۵/۲/۱۳۸۸ھ

آج جامعہ اسلامیہ ام درمان گئے، ہمارے ساتھ یوسف خلیفہ چانسلر یونیورسٹی بھی تھے، ہمارا یہ سفر یونیورسٹی کے ایک موٹر میں ہوا، ہم ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ تک گئے، یہ جگہ رجسٹرار آفس سے کافی دور ہے، سب سے اہم لائبریری کی عمارت میں داخل ہوئے، کتابوں کی کثرت سے تعجب ہوا، سید یوسف خلیفہ نے بتلایا کہ لائبریری میں ایک لائبریرین کے علاوہ تین اور عہدہ دار ہیں جو اسی یونیورسٹی کے فارغ ہیں، ایک ان میں کا مصر سے تعلیم یافتہ ہے، وہ اسی یونیورسٹی

کے فاضل ہیں، اس کے علاوہ کلرک اور عملہ کے دوسرے لوگ جن کی تعداد تیرہ/۱۳ ہے وہ بھی لائبریری میں تنخواہ دار ہیں، لائبریری دومنزل کی مختصر عمارت ہے لائبریری پر بجٹ کا دس فیصد خرچ ہوتا ہے۔ دروازہ پر حسب ذیل عبارت لکھی ہوئی ہے، یونیورسٹی، استاذ، طالب علم، کتاب۔ پھر ہم شریعت کالج کی عمارت میں گئے، پھر ادب کالج دیکھنے آئے، ساری عمارتیں مختصر نا قابل ذکر ہیں، ہر ملاقات واجتماع میں ہم نے ذمہ داروں سے صرف وہی گفتگو کی کہ ہم جامعہ اسلامیہ ام درمان اور مدینہ یونیورسٹی کے مابین دعوت اسلامی کا گہوارہ دیکھنا چاہتے ہیں، بالخصوص افریقہ میں اس کی اور زیادہ ضرورت ہے، استاد یوسف خلیفہ عربی زبان کے تعلیم میں ملکہ تام رکھتے ہیں، بالخصوص غیر عرب کو سکھانے میں انہیں ید طولیٰ حاصل ہے، اس لئے کہ وہ جنوبی سوڈان میں وہاں کے باشندوں کو کئی سال تک عربی ادب پڑھاتے رہے۔

سفیر کا دسترخوان

آج دوپہر کے کھانے پر سفیر محترم نے کل ہی مدعو کیا تھا، اس سلسلہ میں انہوں نے سوڈان کے بڑے علماء اور مشائخ، اسی طرح صحافیوں کو بھی دعوت دی تھی، مثلاً سید یحییٰ عبدالقادر، الابناء سوڈان کے ایڈیٹر، اس کے علاوہ سعودی عربیہ کے سفارتخانہ کا سارا عملہ دعوت پر تھا، اس موقع کو مناسب سمجھ کر ہم نے سوڈان کے سلسلہ میں معلومات عامہ کا ضمناً دفتر کھول دیا اور ہر طرح کی باتیں ہوئیں، عصر کے بعد چڑیا خانہ گئے اور اسے چار سال پہلے کی طرح دیکھا، مگر کوئی نئی چیز سامنے نہیں آئی۔

جنوبی سوڈان میں اسلام

ہم اریٹیریا اور ایتھوپیا جاتے ہوئے سوڈان سے گزرے تھے، سوڈان کا قصد بالذات نہیں تھا، بلکہ راہ گزر میں آ گیا تھا، اس لئے کہ یہ تو ایک اسلامی خطہ ہے، یہاں زندگی کے ہر شعبہ پر اسلامی خیالات وافکار کی چھاپ ہے، مسلمانوں کی حالت بھی کسی سے چھپی نہیں ہے،

بایں ہمہ ذمہ داروں سے ملنے کیلئے ٹھیر گئے، جن ذمہ داروں سے ملاقات ہوئی ان میں چیف ایڈیٹر جسٹس حسین یمنی اور مفتی سوڈان مفتی شیخ حسین اور بھی وزارت دینیہ کے سکریٹریٹ کے چند ذمہ داروں سے بھی ملاقات ہوئی، اسی طرح بڑی بڑی مسجدوں کے ائمہ سے بھی ملاقات کا موقع ملا، مدرسوں کی چھٹی کی وجہ سے ان کو دیکھنے کا موقع نہیں ملا، ہمارے رفقاء نے خرطوم کی بڑی مسجدوں میں پندوارشاد کے کلمات کہے۔

ملاقاتوں کے نتیجے میں اسی طرح ان معلومات کی روشنی میں جو ہمیں یہاں کے سلاطین وعمائدین سے حاصل ہوئی، ہم اس نتیجہ پر پہونچے کہ جنوبی سوڈان میں تبلیغ دین بنیادی طور پر دینی مسئلہ ہے، اور شمالی وجنوبی سوڈان کا اختلاف بھی حقیقت میں دو کلچر کی لڑائی ہے، اور جنوبی سوڈان کا مسئلہ اس واسطے بھی اہم ہوگیا ہے کہ بیسویں صدی کے آغاز میں یورپین استبداد، شمال کو جنوب سے جدا رکھنے کی امکانی کوشش میں لگا ہے، عیسائی مشینریوں کو جنوب میں قیام وعمل کی آسانیاں دی جاتی ہیں، جبکہ مسلمان مبلغوں کی راہ میں روڑے اٹکائے جاتے ہیں، طرح طرح کی پابندیاں عائد کی جاتی ہیں''۔(شاداب افریقہ:۵۹۔۶۱)

حضرت حکیم صاحبؒ کی جامع نصیحتیں

محمد فرمان ندوی
(استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء)

حضرت مولانا حکیم عزیز الرحمٰن اعظمی نوراللہ مرقدہ ایک خداشناس بزرگ تھے، ان کے اخلاق وکردار میں سیرت رسول ﷺ کی جلوہ گری تھی، چھوٹوں پر ایسی شفقت فرمایا کرتے تھے کہ وہ اپنے کو ان سے مانوس پاتے، ایسا ہی کچھ احقر کے ساتھ پیش آیا، وہ لکھنؤ مخدوم ومربی استاد گرامی حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب اعظمی ندوی مدظلہ کے یہاں تشریف لائے ہوئے تھے، احقر نے سلام کیا، حضرت نے شفقت بھرے لہجے میں نام وپتہ کچھ اس انداز سے دریافت کیا کہ احقر کو ان سے عقیدت سی ہوگئی، مزید حضرۃ الاستاذ کی نسبت سے تو یہ تعلق دو آتشہ ہوگیا۔

احقر نے ایک مرتبہ جرأت کرکے درخواست کی کہ حضرت! کچھ نصیحت فرمایئے، حکیم صاحب نے فرمایا کہ: اللہ سے عافیت مانگو۔ عافیت ہی قیمتی شئ ہے۔ احقر نے غور کیا تو امام ترمذیؒ کی روایت کردہ وہ حدیث یاد آئی جس میں حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالی سے عافیت سے بڑھ کر کوئی بہتر اور پسندیدہ چیز نہیں مانگی گئی، یعنی عافیت مانگنا اللہ تعالی کو بہت پسند ہے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے: جو شخص اپنے گھر میں مطمئن ہو، امراض سے محفوظ ہو اور اسے اس دن کی روزی میسر ہو تو گویا کہ اس کے لئے پوری دنیا کی نعمتیں جمع کردی گئیں، یہ حدیث بھی عافیت کی وضاحت کررہی ہے، اسی کو قرآن میں حسنۃ الدنیا یعنی دنیا کی بہتری اور اچھائی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ دیوریا کے ایک ندوی عالم صبغت اللہ ندوی کو جہد مسلسل کرنے کی نصیحت کرتے ہوئے فارسی کا یہ شعر پڑھا جو بہت ہی معنی خیز ہے:

ہمت بلند دار کہ نزد خدا و خلق　　　ہمت بقدر اعتبار اعتبار تو

یعنی انسان کو اپنی ہمت بلند رکھنی چاہیئے، کیونکہ بلند ہمتی ہی سے اللہ اور مخلوق کے نزدیک اس کا اعتبار ہوتا ہے، مزید ایک دوسرا شعر بھی سنایا کہ:

اگر خواہی کہ باشی سب سے اول　　　رٹول کن رٹو ل کن رٹول

اگر دنیا میں سب سے آگے رہنا چاہتے ہو تو خوب محنت کرو۔

اس طرح حکیم صاحب چھوٹوں پر شفقت فرمایا کرتے تھے، اور ہر لمحہ ان کی خیر خواہی ان کے پیش نظر ہوتی تھی، مکتبہ فردوس کے انچارج مولانا ارشاد احمد اعظمی ندوی نے بتایا کہ حکیم صاحب سے ایک مرتبہ فرمایا کہ انسان کو برابر مشغول رہنا چاہیئے، مشغولیت میں خلوص نیت عبادت کا ضامن ہے، مزید فرمایا کرتے تھے کہ ایک سال گزرنے کے بعد جن چیزوں پر زکوٰۃ واجب ہے ان کی زکوٰۃ ادا کرنا از حد ضروری ہے، چنانچہ مجھے تاکید کرتے تھے کہ سال میں میری کتابوں کے حسابات کا جائزہ لیکر ان کی زکوٰۃ پابندی سے ادا کی جائے۔

اسی طرح حکیم صاحب نے خیر خواہی کے جذبہ سے اپنے خوردوں کو جو نصیحتیں فرمائی ہیں، وہ قابل قدر ہے، حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جوانہوں نے روز و شب گذارے تھے، وہ ان کیلئے خضر راہ ثابت ہوئے، یہی وجہ ہے کہ خدمت خلق کا جذبہ آپ کے اندر بھرپور انداز میں تھا، اور وہ شریعت و طریقت کو حسن و خوبی سے جمع کرنے والے تھے، انہوں نے علم نبوت اور نور نبوت دونوں کو اپنی زندگی میں منتقل کیا، اس طرح ان کی زندگی ایک عرفانی و نورانی زندگی ہوگئی تھی۔ وہ ایسے نایاب فرد تھے، جن پر یہ شعر صادق آتا ہے:

ڈھونڈوگے ہمیں ملکوں ملکوں　　　ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

اللہ رب العزت مرحوم کی قبر کو نور سے بھردیں، اور ان کو جنت الفردوس کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقام میں جگہ عطا فرمائیں، اور ہم خوردوں کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

میرے بڑے ابا مرحوم

قاری وصی الرحمٰن بن ڈاکٹر مسیح الرحمٰن اعظمی

میرے بڑے ابا مولانا حکیم عزیز الرحمٰن بڑے خوبیوں کے مالک تھے، نباض ازل نے انکو ذہانت وذکاوت سے بھرپور طریقے سے نوازا تھا، انکی ذہانت وذکاوت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ انہوں نے باوجود کہ طب باقاعدہ نہیں پڑھی تھی، لیکن طب کے ایک ماہر استاذ کی حیثیت سے تیئس سال دارالعلوم دیوبند کے شعبہ طب میں گزارا، وہ ایک ماہر اور طبیب حاذق تھے، بہت سے ایسے مریض جو علاج کرا کر تھک چکے تھے، ان کے دستِ شفا سے شفایاب ہوئے، علم طب میں انہوں نے درک پیدا کرلیا تھا، ایک طبی لغت وصی میڈیکل ڈکشنری کے نام لکھی، اس کے بعد ان کے قلم سے کئی لغات منظر عام پر آئیں، جس کی داد بڑے بڑے اہل کمال نے دی۔

بڑے ابا مرحوم کی ایک عجیب بات تھی کہ ان کے تعلقات کا دائرہ بہت وسیع تھا، ہر مکتبۂ فکر کے لوگوں سے ان کے تعلقات تھے، بلکہ غیر مسلم بردران وطن سے بھی ان کے بے تکلفانہ روابط تھے، وہ جب کسی مجلس میں ہوتے تو مفید اور نافع باتیں کرتے، ان کو بات کرنے اور دل موہ لینے کا بڑا ملکہ تھا، وہ بہت صاف گو تھے، ان کا دل بہت صاف تھا، کینہ کپٹ سے بہت دور تھا۔ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب کی تربیت میں رہ کر انہوں نے جو وقت گزارا وہ ان کے لئے بہت کارآمد ثابت ہوا۔ خاندان کے لوگوں کو ہمیشہ دعاؤں میں یاد رکھتے اور برابر کہتے تھے کہ میں اپنے بچوں کے لئے برابر دعائیں کرتا رہتا ہوں، سچ ہے:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مولانا حکیم عزیز الرحمٰن اعظمیؒ کی بعض تصنیفات

اکابرین ملت اور دانشوران قوم کی نظر میں

عبداللہ مخدومی ندوی
(دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

''ترجمہ خاتم النبیین'' مولانا انظر شاہ مسعودی کشمیری کی نظر میں:

''مرحوم علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے آنحضورؐ کی ختم نبوت کو سمجھانے کیلئے اپنے بلند و رفیع مقام علمی سے کلام کیا ہے، اور دلائل قاہرہ یکجا کئے ہیں جن سے آنحضورﷺ کی ''ختم نبوت'' کا مسئلہ واشگاف ہوتا ہے۔ اس کا ترجمہ محب صادق، صدیق حمیم، ذکی وذہین، صوفی صافی، علم نبیل، فاضلِ جلیل مولانا حکیم عزیز الرحمٰن صاحب کا ہے جو حضرت مولانا محمد ایوب صاحب اعظمی کے خلف الرشید ہیں، مرحوم مولانا محمد ایوب صاحب ان زعمائے ثلاثہ میں تھے جن سے مشرقی، اضلاع میں علم کے زمزمے بلند ہوئے اور یوپی سے تا گجرات آپ کا فیض علم موجزن رہا۔ آپ علامہ کشمیریؒ کے نامور تلامذہ میں تھے۔ حکیم صاحب کے برادر اوسط مولانا سعید الرحمٰن صاحب اعظمی ہیں، اس وقت ندوۃ العلماء لکھنؤ کے اس قافلہ کے شریک ہیں جو ندوہ کو ندوہ بنانے میں معمار کی حیثیت رکھتا ہے، مرحوم زید مجدہ حضرت اقدس شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے واسطہ سے مجدد العصر حضرت تھانوی قدس سرہ کے سلسلہ میں بلند و بالا حیثیت رکھتے ہیں، دارالعلوم کے شعبۂ طبیہ سے متعلق رہے، بہت سی کتابوں کے مترجم و مؤلف اور پر گو شاعر، ہزاروں اشعار نوک برزبان، روشن ضمیری کے ساتھ مجلس احباب کے سرگرم رکن، حکیم صاحب کا جوہری وصف، ذکاوت، ذہانت، فراست، رزانت ہے، یہی روشنی طبع حکیم صاحب کیلئے بلائے بے درماں ثابت ہوئی اور چوں کہ وہ حق پرست واقع ہوئے اور مرحوم حضرت

مولانا قاری محمد طیب علیہ الرحمۃ کے حلیف، اس لئے دارالعلوم کے موجودہ انتظامیہ کی آنکھ کا کانٹا تھے۔ برا ہو سیاست کا کہ حکیم صاحب کو گردن زنی قرار دینے کے لئے انہیں کے ایک ہم وطن سے اقدام قتل کرایا گیا اور وہ پرانا مصرعہ اپنی تمام صداقتوں کے ساتھ سامنے آ گیا۔

ع اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

اسے بھی انقلاباتِ زمانہ ہی کہئے کہ جن صاحب کو اپنے ایک ایک مضمون کی اشاعت کیلئے رسائل ومجلات کے دفاتر پر ہم نے خود دوڑتے ہوئے دیکھا وہ حکیم صاحب کی انشاء کے متعلق فیصلہ کرنے کیلئے حکم بنائے گئے۔

ع تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

حکیم صاحب کا یہ ترجمہ اب قارئین کے ہاتھوں میں پہونچ چکا، میں تو صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ حضرت علامہ کشمیریؒ کی کسی تحریر کا ترجمہ یا ترجمانی آسان کام نہیں ہے، اس ''ہفت خواں'' میں وہی قدم رکھ سکتا ہے جو علمی مہارت، علمی رزانت، قلم پر قدرت، انشاء پر تسلط وتصرف کی صلاحیت بے پناہ رکھتا ہو اور اس ترجمہ کو آپ پڑھ کر محسوس کرینگے کہ جو کچھ دارالعلوم دیوبند میں حکیم صاحب قبلہ کے ساتھ معاملہ کیا گیا وہ انصاف نہیں بلکہ سیاست کا مظہر ہے''۔ (مقدمہ خاتم النبیین)

''سنگم'' مولانا ضیاء الدین اصلاحیؒ کی نظر میں:

''حکیم صاحبؒ کی تصنیفات کی تعداد دو درجن سے متجاوز ہے لیکن انہوں نے بڑی مستغنی طبیعت پائی ہے، کتابیں لکھتے جاتے ہیں لیکن ان کی طبع واشاعت کی فکر اور پروا نہیں کرتے، یہی وجہ ہے کہ بیشتر کتابیں ابھی تک غیر مطبوعہ ہیں، ناشر مسودے لے کر رکھے رہتے ہیں کئی مسودے گم اور دارالعلوم دیوبند کے ہنگامہ کی نذر ہو گئے جن میں ان کے اردو، فارسی اور عربی اشعار کا مجموعہ بھی تھا۔

حکیم صاحب کی تصنیفات کے موضوعات میں وسعت وتنوع ہے ان کو ترجمے پر بڑا عبور ہے، عربی کی جو اچھی کتاب ہاتھ لگ جاتی ہے، اس کا ترجمہ کر کے ہی دم لیتے ہیں، ان کے ترجمے بالکل طبع زاد معلوم ہوتے ہیں اور ان میں بڑی روانی، برجستگی اور شگفتگی ہوتی ہے۔

لغت ہی کے سلسلہ کی ان کی دوسری معرکہ آراء کتاب ''سنگم'' ہے جواب عنقریب طبع ہونے والی ہے، یہ انگریزی، عربی اور اردو ڈکشنری ہے، اس میں انہوں نے ہر ہر انگریزی حرف سے بننے والے بیشمار الفاظ ومشتقات ابجدی ترتیب سے درج کر کے ان کے متبادل اور ہم معنی عربی اور اردو میں مستعمل الفاظ لکھے ہیں جن سے تینوں زبانوں میں مصنف کی مہارت اور پختہ استعداد کا پتہ چلتا ہے، یہ کتاب تحقیق وتصنیف کا کام کرنے والوں سے زیادہ ان لوگوں کے لئے مفید اور نفع رساں ہوگی، جو ان زبانوں میں ترجمے کا کام کرتے ہیں، اس کی اصل قدر وقیمت اور خوبی کا اندازہ مطالعہ کے بعد ہی ہوگا''۔ (تقریظ سنگم)

''وصی میڈیکل ڈکشنری'' ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی کی نظر میں

''میرے لئے فخر ومسرت کی بات ہے کہ میں نے آج ۷/جولائی ۱۹۷۸ء کو حکیم عزیز الرحمٰن اعظمی کی مایہ ناز تالیف وصی میڈیکل ڈکشنری پوری تیار شکل میں دیکھی، انگلش اردو کی اس ڈکشنری کا ابتدائی کام میں دیوبند کی حاضری میں دیکھ چکا تھا، اس ڈکشنری میں ۱۴۱/ہزار الفاظ ہیں اور ڈیڑھ ہزار صفحات پر مشتمل ہے، یقیناً یہ ایک غیر معمولی کارنامہ ہے جسے انہوں نے نہایت خاموشی اور ۸/سال کی مسلسل محنت اور دیدہ ریزی کے بعد انجام دیا ہے، اپنی دوسری مصروفیات کے ساتھ ان کا یہ عظیم الشان کارنامہ جس پر کئی اداروں کی محنت صرف ہوتی، انہوں نے تن تنہا انجام دیا ہے، اس کا حق ہے کہ پورے ملک میں اس کی پذیرائی کی جائے اور حکومت ایسے لائق اور فاضل اسکالر کی ہر ممکن سرپرستی کرے، جس نے اپنی پوری بے سروسامانی کے باوجود طب کی اتنی بڑی خدمت انجام دی ہے۔ میری دلی خواہش ہے کہ یہ ڈکشنری جلد سے جلد طبع ہوکر منظر عام پر آئے اور قبولیت عام حاصل کرے''۔ (۷/جولائی ۱۹۷۸)۔

''وصی میڈیکل ڈکشنری'' حکیم ضیاء الدین ضیاء پرنسپل تکمیل الطب کالج لکھنؤ کی نظر میں

وصی میڈیکل ڈکشنری طبی دنیا کی اہم ترین ضرورت تھی جسکی ترتیب وتکمیل کی توفیق مولانا حکیم عزیز الرحمٰن صاحب فاضل طب ولکچرر جامعہ طبیہ دیوبند کو نصیب ہوئی، فالحمد اللہ

وشکـــرآلـــہ ،آپ کی عبقری شخصیت ہی ایسے اہم ترین کارنامہ سے عہدہ برآ ہوسکتی تھی۔
"بقول مولانا جامی" مردے از غیب بروں آید وکارے بکند"۔

ورنہ یہ کام تو ایک ٹیم بھی نہیں کرسکتی تھی میں نے جستہ جستہ اس علمی وتحقیقی مسودہ کو جب دیکھا تو بڑی مسرت ہوئی کہ حکیم صاحب موصوف نے بڑی عرق ریزی سے کام لیکر تلاش وجستجو کا حق ادا کردیا ہے۔

علم طب جن علوم وفنون پر مشتمل ہے ،اسکے ہر شعبہ سے متعلق جتنی امکانی لغات ومصطلحات ہوسکتی ہیں انہیں آپ نے اقرب ترجمہ وتشریح کیساتھ جمع کردی ہیں، مجھے یقین واثق ہے کہ آپ کا یہ کارنامہ بقائے دوام حاصل کرے گا اور دنیائے علم وفن کا ایک "شاہکار" سمجھا جائے گا۔

اس دور کے تحقیقی اداروں واشخاص کے سامنے بیساختہ یہ شعر پڑھنے کا جی چاہتا ہے۔

تو اے کہ محوِ سخن گستران پیشینی — مباش منکر غالب کہ درزمانہ تست

"وصی ڈکشنری"، حکیم ظل الرحمٰن، اجمل خاں طبیہ کالج، مسلم یونیورسٹی، علیگڑھ کی نظر میں:

اکتالیس ہزار سے زیادہ الفاظ پر مشتمل اس لغت کی تدوین میں جہاں انہوں نے بہت سے الفاظ کی توضیح وترجمہ میں فنی قابلیت اور دانش وری کا ثبوت دیا ہے وہاں عہد حاضر کی انگریزی وعربی کی تمام معروف طبی لغات سے پوری طرح استفادہ کیا ہے، مخصوص طور پر جو کتابیں ان کے پیش نظر رہی ہیں ان میں بحر الجواھر، مخزن الجواھر، معجم اللسان العربی، معجم طبی، تیبرس میڈیکل ڈکشنری، حتی ڈکشنری، انٹرنیشنل ڈکشنری، آکسفورڈ میڈیکل ڈکشنری، دارلینڈ ڈکشنری، بلیک اسٹون میڈیکل ڈکشنری، بلیک اسٹیٹ مینٹ میڈیکل ڈکشنری وغیرہ ہیں، جن سے اس کی قدر وقیمت کا تعین آسانی سے کیا جاسکتا ہے، اس مہتم بالشان کام کے لئے وہ پوری طبی دنیا کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں، طب کے علمی ذخیرہ میں یہی ایک بیش بہا اضافہ ہے، جوان کے ذریعہ انجام پایا ہے۔

اخبارات کے تراشے

درجنوں کتابوں کے مصنف

حکیم مولانا عزیز الرحمٰن کا انتقال

ایک عظیم خانوادے کا روشن چراغ گل ہوگیا

مئوناتھ بھنجن ۱۰ ستمبر (ایس این بی)

آج شہر ایک عظیم مصنف، ماہر لسانیات اور علم وحکمت کے شناور سے محروم ہوگیا۔ ایک عظیم علمی خانوادے کا روشن چراغ گل ہوگیا۔ کئی اہم زبانوں پر عبور رکھنے والا ہمیشہ کیلئے خاموش ہوگیا، الفاظ ومعانی کی سرگوشیاں سمجھنے والا رخصت ہوا، اقلیم قلم کا شاہزادہ خدا کی دنیا چھوڑ کر خدا سے جاملا، وہ متبحر عالم بھی تھا، نبض آشنا حکیم بھی تھا، صاحب طرز شاعر بھی تھا، ایک عظیم مصنف بھی تھا اور ایک صاف گو انسان بھی، آسماں اس کی لحد پر شبنم افشانی کرے۔

حکیم صاحب کو کچھ دنوں قبل زینہ سے گرنے کی وجہ سے چوٹ آگئی تھی، جس کی وجہ سے صاحب فراش ہوگئے تھے۔ شیخ الحدیث مولانا ایوب اعظمیؒ کے بڑے صاحبزادے، ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مہتمم مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمیؒ کے بڑے بھائی حکیم مولانا عزیز الرحمٰن کا آج صبح دس بجے انتقال ہوگیا، وہ قریب ۹۳ رسال کے تھے۔ انہوں نے اپنے پسماندگان میں اپنے اہل خانہ کے علاوہ تلامذہ کا ایک لامحدود حلقہ چھوڑا ہے، ان کی موت صرف مئو ضلع کیلئے ہی نہیں بلکہ پوری علمی دنیا کیلئے ایک بہت بڑا خسارہ ہے، انہوں نے جہاں طویل تدریسی خدمات کے ذریعہ طالبان علم کو علمی فیض پہونچایا، وہیں اپنی تصانیف کے ذریعہ طویل قلمی خدمات انجام دیں۔ اور عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں شاعری کرکے بہ حیثیت شاعر بھی اپنا سکہ جمایا، مولانا مرحوم کی اہم ترین تصانیف میں ''طب نبوی''۔ ''مآثر امام اعظم''، ''امراض صدریہ''

'' کتاب الرحمۃ''، سوانح عمر فراہی''، ''سوانح عطار''، ''سوانح ابو ہریرہ''، ''اعجاز علمی کی بنیادیں''، شاداب افریقہ''، ختامہ مسک''، وصی میڈیکل انگلش اردو ڈکشنری''۔ سنگم سہ لسانی اردو، عربی، انگلش ڈکشنری، وغیرہ شامل ہیں۔

انہوں نے بہت سی کتابوں کے ترجمہ بھی کئے اور ان کی مختلف تصانیف کے مسودات کے ابھی منتظر اشاعت ہیں، جن کی تعداد شائع ہونے والی کتابوں سے زیادہ ہے۔ مرحوم حکیم مولانا عزیز الرحمٰن اعظمیؒ ۱۹۱۸ء میں ایک اہم علمی گھرانے میں پیدا ہوئے، دیوبند سے فراغت حاصل کی ۱۹۴۴ء میں ڈی اے وی انٹر کالج میں بہ حیثیت ٹیچر تدریسی خدمات کا سلسلہ شروع کیا، ۱۹۶۲ء سے ۱۹۸۹ء تک جامعہ طبیہ دارالعلوم دیوبند میں استاد رہے اور تھوڑی مدت کے لئے پرنسپل کی حیثیت بھی حاصل ہوئی۔ اس دوران کئی درجنوں کتابیں تحریر کیں اور بہت سی کتابوں کے اردو ترجمے بھی کئے، اردو فارسی اور عربی میں شاعری کی۔ مرحوم کے نگاہ و مزاج میں تیزی اور باریک بینی تھی، گرد و پیش سے ہمیشہ باخبر رہتے تھے، دنیا داری نہیں کی، لیکن دنیا کو ٹھوکر پر ضرور رکھا، عہدہ، اعزاز، نام و نمود اور ریاکاری سے ہمیشہ دور رہے۔ اور اب دنیا سے ہی دور ہو گئے، ردائے علم و فن کی پیوند کاری کرنے والا آج پیوند خاک ہو گیا، علمی اور تعلیمی دنیا کے سوگواروں نے با چشم پرنم الوداع کہا۔

حکیم صاحب کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنی پوری عمر میں اپنا کام خود کیا کرتے تھے، کبھی کسی سے مدد لینے کی کوشش نہیں کرتے، اس ضعیفی کے عالم میں بھی لیٹے لیٹے اپنا کام کرنا پسند کرتے تھے۔ وہ ہمیشہ علمی کاموں میں مشغول رہتے تھے۔ اتنی عمر کے باوجود ان کو چشمہ کی ضرورت نہیں محسوس ہوئی۔ مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی اس وقت بیرون ملک کے سفر پر ہونے کے سبب تدفین میں شریک نہیں ہو سکے۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ناظم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے ٹیلی فون کے ذریعہ اہل خانہ سے تعزیت کی۔ یہ اطلاع مولانا کے داماد عبداللہ ندوی نے دی ہے۔ (راشٹریہ سہارا، ۱۱ ستمبر ۲۰۰۹ بروز جمعہ)

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم جناب مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی کے بڑے بھائی کی وفات درجنوں کتابوں کے مصنف حکیم مولانا عزیز الرحمٰن رحلت فرما گئے۔

شیخ الحدیث مولانا ایوب اعظمیؒ کے بڑے صاحبزادے، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مہتمم حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی کے بڑے بھائی حکیم مولانا عزیز الرحمٰن کا ۱۰ر ستمبر ۲۰۰۹ء کی صبح دس بجے انتقال ہوگیا، وہ قریب ۹۳ر سال کے تھے۔ ان کی وفات علمی دنیا کیلئے بڑا خسارہ ہے، انہوں نے جہاں طویل تدریسی خدمات کے ذریعہ طالبان علم کو علمی فیض پہونچایا، وہیں اپنی تصانیف کے ذریعہ طویل قلمی خدمات انجام دیں، وہ عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں شاعری بھی کرتے تھے۔

مرحوم مولانا عزیز الرحمٰن اعظمی ۱۹۱۸ء میں ایک اہم علمی گھرانے میں پیدا ہوئے، دیوبند سے فراغت حاصل کی ۱۹۴۴ء میں ڈی اے وی انٹر کالج میں بحیثیت ٹیچر تدریسی خدمات کا سلسلہ شروع کیا ۱۹۶۲ء سے ۱۹۸۹ء تک جامعہ طبیہ دارالعلوم دیوبند میں استاد رہے اور تھوڑی مدت کیلئے پرنسپل کی حیثیت بھی حاصل کی۔

انہوں نے بہت سی کتابوں کے ترجمے کئے اور ان کی مختلف تصانیف کے مسودات ابھی منتظر اشاعت ہیں، جن کی تعداد شائع ہونے والی کتابوں سے زیادہ ہے۔ شائع ہونے والی اہم تصانیف درج ذیل ہیں۔

''طب نبوی''۔ ''مآثر امام اعظم''، ''امراض صدریہ''، ''کتاب الرحمۃ''، ''سوانح عمر فراہی''، ''سوانح عطار''، ''سوانح ابوہریرہ''، ''اعجاز علمی کی بنیادیں''، شاداب افریقہ''، ختامہ مسک''، وصی میڈیکل انگلش اردو ڈکشنری''۔ سنگم سہ لسانی اردو، عربی، انگلش ڈکشنری، وغیرہ۔

مرحوم اپنی پوری عمر میں اپنا کام خود کیا کرتے تھے، کبھی کسی سے مدد لینے کی کوشش نہیں کرتے، اس ضعیفی کے عالم میں بھی لیٹے لیٹے اپنا کام کرنا پسند کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ (تعمیر حیات ندوۃ العلماء ۱۰ و ۲۵ر ستمبر ۲۰۰۹)۔

تعزیتی جلسے

مولانا عزیز الرحمٰن کے انتقال پر دارالعلوم مئو میں تعزیتی جلسہ

مئو ناتھ بھنجن ۱۳ ستمبر (ایس این بی) مولانا عزیز الرحمٰن کے انتقال پر دارالعلوم مئو میں زیر صدارت الحاج حافظ احمد ذکی (مہتمم جامعہ) ایک تعزیتی میٹنگ ہوئی۔

اس تعزیتی میٹنگ میں جامعہ کے اساتذہ کرام اور اراکین نے شرکت کی مولانا مفتی انور علی اور مولانا احمد اللہ قاسمی نے اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ حکیم مولانا عزیز الرحمٰن ایک جدید عالم دین ہونے کے ساتھ ایک زبردست نبض شناس حکیم بھی تھے عربی اردو اور انگریزی زبانوں میں ماہر ادیب و شاعر بھی تھے، بیسوں کتابوں کے مصنف تھے۔ بہت سی کتابیں شائع ہوئیں اور بہت سی غیر مطبوعہ ہیں۔

حافظ احمد ذکی نے کہا کہ مولانا عزیز الرحمٰن کے انتقال سے علمی دنیا میں ایک بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے مرحوم دارالعلوم دیوبند کے شعبہ طب کے ایک اہم استاد تھے۔ اپنے شیخ شاہ وصی اللہ کے حکم پر طب کی استادی قبول کی اور ماہر طب کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ تلاوت قرآنی کا بہت شغف تھا تکبیر اولیٰ کا بہت اہتمام کرتے تھے اللہ تعالیٰ انکی خدمات کو قبول فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔

جامعہ مفتاح العلوم میں تعزیتی جلسہ:

جامعہ مفتاح العلوم کے سرپرست اور دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو کے مہتمم مولانا سعید الرحمٰن کے بڑے بھائی حکیم مولانا عزیز الرحمٰن کے انتقال پر جامعہ مفتاح العلوم میں ناظم اعلیٰ مولانا صفی اللہ کی صدارت میں ایک تعزیتی میٹنگ ہوئی جسمیں تمام اراکین نے مولانا کی رحلت کو علمی دنیا کا ایک ناتلافی نقصان قرار دیا۔

صدر مدرس مولانا ابوسفیان مفتاحی نے کہا کہ مولانا مرحوم ایک باعمل عالم ہونے کے ساتھ ساتھ علم طب میں جو دسترس رکھتے تھے اسکی مثال کم دیکھنے کو ملتی ہے۔

شاہی مسجد کے امام وخطیب مولانا محفوظ الرحمٰن مفتاحی نے مولانا مرحوم کی خوبیوں اور اخلاق کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ حکیم عزیز الرحمٰن صاحب نہایت ہی خوش اخلاق اور خوش مزاج انسان تھے سادہ طبیعت ہونے کے باوجود ملنے والوں کی عزت اور تواضع کا بھرپور خیال رکھتے تھے ان سے ملنے والا انکی خوش مزاجی سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا۔

جامعہ کے شیخ الحدیث مولانا شمیم احمد قاسمی نے مولانا مرحوم کے علمی مقام اور انکی خدمات پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ انہوں نے کہا کہ مولانا نے جہاں طویل تدریسی خدمات کے ذریعہ طلباء کو علمی فیض پہونچایا وہیں اپنی تصانیف کے ذریعہ کتابی دنیا میں گراں قدر اضافہ کیا۔ ناظم اعلیٰ مولانا صفی اللہ نے کہا کہ مولانا مرحوم نے اپنی قلمی خدمات کے وہ نقوش چھوڑے ہیں جس سے رہتی دنیا تک اہل علم کو روشنی ملتی رہیگی۔ انہوں نے کہا کہ مولانا کی عبادت وریاضت کا حال یہ تھا کی زیادہ وقت تلاوت میں گزرتا تھا اور تہجد کے بھی مستقل پابند تھے مولانا کو شاہ وصی اللہ اور قاری مبین صاحب ان سے اجازت بیعت حاصل تھی۔ مولانا کی رحلت درحقیقت ایک عظیم حادثہ ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اور جملہ پسمندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

مولانا عزیز الرحمٰن کو بزم شبلی کا خراج عقیدت

کوپاگنج (مئو) ۱۱ ستمبر (ایس این بی) آج یہاں کی ادبی تنظیم ''بزم شبلی'' کے زیر اہتمام مئو کے مولانا عزیز الرحمٰن قاسمی کے سانحہ ارتحال پر ایک تعزیتی میٹنگ کا انعقاد ہوا جسکی صدارت مولوی مرغوب الحق علیگ نے کی اور نظامت کے فرائض خصال احمد ایڈوکیٹ نے سرانجام دیئے۔ جلسہ کا آغاز تلاوت قرآن پاک سے ہوا بعد ازاں مولانا مرحوم کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ابوالکلام جوہر نے اپنے خطاب میں کہا کہ مرحوم مختلف علوم وفنون کے ماہر تھے اور فن طب پر مہارت رکھتے تھے اسی طرح کئی درجن مختلف موضوعاتی کتابوں کے مصنف،

مؤلف اور مترجم تھے انہیں بیک وقت اردو فارسی، عربی فارسی انگریزی زبانوں پر عبور حاصل تھا ساتھ ہی انہوں نے کئی ڈکشنریاں اور لغات تالیف کیں۔ اسکے علاوہ ایک اچھے مخلص، شریف النفس اور مرنجاں انسان بھی تھے انہوں نے مزید کہا کہ مولانا ایک بحر العلوم تھے۔

جمعیۃ علماء ضلع مئو کا تعزیتی جلسہ

مولانا حکیم عزیز الرحمٰن کی وفات علمی دنیا کا نقصان

مئوناتھ بھنجن ۱۲ ستمبر (ایس این بی) مولانا حکیم عزیز الرحمٰن کی وفات حسرت آیات سے ضلع مئو اپنے ایک لائق فرزند سے محروم ہو گیا ہے۔ ان کی موت ایک گھر یا ایک خاندان کا صدمہ نہیں ہے بلکہ علمی دنیا کیلئے بھی رنج وغم کا باعث ہے۔ جمعیت علماء ضلع مئو کے صدر حافظ عبدالحئی، نائب صدر مولانا احمد اللہ قاسمی، ڈاکٹر مسعود احمد اعظمی اور جنرل سیکریٹری مولانا نذیر احمد قاسمی نے اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے ان کی وفات کو بہت بڑا سانحہ قرار دیا اور کہا کہ مرحوم ایک بلند پایہ مصنف ہونے کے ساتھ بڑے شاعر اور ادیب بھی تھے ان کی تصانیف اور ترجمے کی بہ دولت علم وادب کی دنیا میں ان کا نام زندہ جاوید ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو روشن فرمائے اور انکی مغفرت کرتے ہوئے انکے درجات بلند فرمائے اور انکے پسماندگان کے غم میں برابر کی شریک ہے۔ اس دوران مدرسہ تعلیم الدین مئو میں جمعیت علماء شہر مئو کی جانب سے ایک تعزیتی میٹنگ ہوئی منعقد ہوئی۔ اس میٹنگ میں حکیم صاحب کے سانحہ ارتحال پر رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے کہا گیا کہ مرحوم ایک زبردست عالم دین اور عظیم مصنف تھے انکی وفات سے دنیائے تصنیف وتالیف میں ایک غیر معمولی خلا پیدا ہو گیا ہے۔ میٹنگ کی صدارت مولانا عبدالعلیم نے کی جب کہ مولانا احمد اللہ قاسمی، مولانا خورشید احمد، ڈاکٹر مقصود احمد، مولانا افتخار احمد، مولانا اعجاز احمد نے اپنے اپنے تاثرات کا اظہار کیا اور دعا مغفرت پر میٹنگ کا اختتام کیا۔

کوپاگنج میں تعزیتی جلسہ

حکیم مولانا عزیز الرحمٰن کی رحلت پر قصبہ کوپاگنج کے علماء اور عمائدین کی تعزیتی میٹنگ مولانا جمال ندوی کے دولت کدہ پر ہوئی۔

اس موقع پر مرحوم کے ایصال ثواب کے بعد ان کی شخصیت پر روشنی ڈالتے ہوئے مصباح العلوم کے شیخ الجامعہ مولانا مبین احمد ندوی نے کہا کہ مرحوم مولانا ایوب اعظمی کے صاحبزادے اور بین الاقوامی مجلّہ ''البعث الاسلامی'' کے مدیر اور ندوۃ العلماء لکھنو کے مہتمم، نیز انگرل یونیورسٹی کے چانسلر ڈاکٹر مولانا سعید الرحمٰن اعظمی کے بڑے بھائی تھے۔ مرحوم کو پروردگار کی جانب سے دل و ماغ کی غیر معمولی صلاحیت عطا کی گئی تھی اور انہوں نے اپنی صلاحیت سے بھرپور کام کیا۔ انہیں عربی، اردو، فارسی اور انگریزی زبانوں پر مہارت تامہ حاصل تھی انہوں نے دو اہم لغات لکھ کر زبان و ادب میں اپنا ایک اہم مقام بنایا، مرحوم کا مطالعہ گہرہ تھا انکی مجلس گوناگوں علمی معلومات سے زعفران زار ہو جایا کرتی تھی، وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے انہوں نے تصنیف و تالیف کا اتنا عظیم الشان کام انجام دیا جو ایک اکیڈمی انجام دیتی ہے انکی موت کتنی سعادت مند اور مبارک موقع پر ہوئی کہ مرحوم ''غریب الحدیث کی تصنیف میں مشغول تھے انکا یہ کارنامہ علماء دیوبند میں پہلا کارنامہ تھا لیکن افسوس کہ مرحوم کی زندگی میں اس کی طباعت نہ ہو سکی۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی گئی کہ پروردگار مرحوم حکیم صاحب کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

میٹنگ میں مولانا جمال الدین ندوی (استاد حدیث مصباح العلوم)، مولانا شمس الرحمٰن، (استاد جامعہ اسلامیہ)، حاجی سعید الرحمٰن، حاجی جمیل الرحمٰن، حاجی شمس الاسلام، محمد مجتبیٰ کے علاوہ دیگر عمائدین اور علماء نے شرکت کی اور مرحوم مولانا عزیز الرحمٰن کو خراج عقیدت پیش کیا۔

مدرسہ فاران تحفیظ القرآن مئو میں تعزیت

مئوناتھ بھنجن (ایس این بی) مرحوم حکیم عزیز الرحمٰن ہمارے استاد اور مولانا ایوب اعظمی کے بڑے صاحبزادے تھے حکیم صاحب بڑے ہی مخلص، مہماں نواز، متقی، پرہیزگار، علماء نواز تھے۔ حضرت مولانا وصی اللہ صاحب فتح پوری کے تربیت یافتہ ہونے کی وجہ سے عالمانہ شان غالب تھی۔

ان خیالات کا اظہار مولانا محمد ذکی (گجرات) نے مدرسہ فاران تحفیظ القرآن مئو میں تعزیتی جلسہ کو خطاب کرتے ہوئے کیا۔

انہوں نے کہا کہ حکیم عزیز الرحمٰن سے ملتے ہی آدمی خوش ہو جاتا تھا ان کے بارے میں شاہ وصی اللہ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ تمہاری پیشانی سے علم کا نور جھلک رہا ہے چنانچہ ان سے اللہ تعالیٰ نے بہت سی تعلیمی تصنیفی اور تالیفی کام لیا۔ وہ پوری زندگی امت کی فلاح و بہبود کی فکر کرتے رہے وہ مسلمانوں کی دینی ودنیاوی ترقی کے خواہاں تھے اور علی گڑھ یونیورسٹی یا عصری علوم کے حصول کی ترغیب بھی دیتے تھے اور اسے کار خیر سمجھتے تھے کہ لوگوں کو حصول علم کی راہ دکھائی جائے۔ ابصار الحق قاسمی کا اخیر عمر میں ان سے کافی تعلق رہا جسکا وہ ذکر کیا کرتے تھے۔

اس تعزیتی جلسہ کو خطاب کرتے ہوئے مدرسہ کے ناظم مولانا ابصار الحق قاسمی نے بتایا کہ مولانا ذکی صاحب طویل سفر کر کے حکیم عزیز الرحمٰن مرحوم کی تعزیت کے لئے تشریف لائے۔ پروردگار انکے اس جذبہ کو شرف قبولیت عطا کرے۔ انہوں نے کہا کہ حکیم عزیز الرحمٰن مرحوم کو سچا خراج عقیدت یہ ہے کہ ان کے علمی ورثہ کو سنبھالا جائے اور غیر مطبوعہ اثاثہ کو زیور طباعت سے آراستہ کرنے کی راہ ہموار کی جائے۔ اس موقع پر مدرسہ کے اراکین و اساتذہ کے علاوہ طلباء و عمائدین بھی موجود رہے۔ اور مرحوم حکیم عزیز الرحمٰن کے لئے دعائے مغفرت کی گئی۔

جمعیۃ العلماء علی گڑھ کا تعزیتی جلسہ

آج بتاریخ ۲۵/ اکتوبر ۲۰۰۹ء کے ''دعوت'' اخبار میں مولانا نور عالم صاحب کے مضمون سے جناب حکیم عزیز الرحمٰن صاحب کے سانحۂ ارتحال کے بارے میں معلوم ہوا۔ اس کو پڑھ کر

ایک تعزیتی جلسہ جناب ڈاکٹر اقبال احمد قاسمی صاحب، ریڈر علم الادویہ، اجمل خاں طبیہ کالج، اے ایم یو، علی گڑھ مکان پر ہوا۔ اس میں جمعیۃ العلماء علی گڑھ کے ممبران نے شرکت کی۔ اس کی صدارت جناب پروفیسر حکیم ایوب علی صاحب نے فرمائی۔ اس کا آغاز قاری امین الاسلام صاحب کی تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ اس کے بعد مولانا ڈاکٹر سلیم شاہی قاسمی اور حکیم اسلام اللہ صاحبان نے حکیم صاحبؒ کی زندگی پر مکمل روشنی ڈالی۔ جناب حکیم ایوب صاحبؒ نے اپنے دیرینہ تعلقات کا ذکر فرمایا۔ حکیم اقبال احمد قاسمی نے اپنے طالب علمی کے تعلقات کو بیان کیا اور علی گڑھ آمد کے واقعات بیان فرمائے۔ آپ کا تعلق مستقل طبی اداروں اور ان کے طالب علموں سے رہتا تھا۔ پروفیسر حکیم خالد زماں خان، سابق ڈین فیکلٹی آف یونانی میڈیسن نے اپنے طالب علمی کے زمانے کی ملاقات کا ذکر کیا۔ حکیم صاحب ایک استاذ ہی نہیں، بلکہ ایک چلتا پھرتا کتب خانہ تھے اور طالب علموں کو اپنے علم سے مستقل سرفراز فرماتے تھے۔ جناب مولانا نور عالم خلیل امینی صاحب نے اپنے مضمون میں لکھا ہے جس وقت حکیم صاحب نے ملازمت کیلئے انٹرویو دیا تو حکیم محمد عمر صاحبؒ، سابق پرنسپل جامعہ طبیہ دیوبند نے دفتر اہتمام کو جو رپورٹ بھیجی وہ اس طرح ہے "جو اطباء انٹرویو میں شریک تھے، ان میں سے مولوی حکیم عزیز الرحمٰن بھی ہیں جو الہ آباد سے آئے تھے، دین داری اور قابلیت کے اعتبار سے اچھے معلوم ہوتے ہیں" آپ نے تشریح کو اپنا محور بنایا اور اس میں علمی و عملی خدمات انجام دیں۔ آپ کے سابق طالب علم اب بھی آپ کو اچھے الفاظ سے یاد کرتے تھے۔ یہ جلسہ خدا سے دعا کرتا ہے اللہ پاک مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، اخیر میں پروفیسر حکیم سید ایوب علی قاسمی صاحب کی دعا پر جلسہ اختتام کو پہنچا۔

حکیم خالد زماں خان
نائب صدر علی گڑھ جمعیۃ

اجمل خاں طبیہ کالج کا تعزیتی جلسہ

آج بتاریخ ۲۸/اکتوبر ۲۰۰۹ء بوقت ۱۱/بجے دن ایک تعزیتی جلسہ بہ سلسلہ سانحہ ارتحال حکیم عزیز الرحمٰن اعظمی، سابق استاد جامعہ طبیہ، دارالعلوم دیوبند، زیر صدارت پروفیسر حکیم عبید اللہ صاحب، صدر شعبہ تشریح، اجمل خاں طبیہ کالج، کے کمرہ میں ہوا جس میں اساتذہ وطلباء طبیہ کالج نے شرکت فرمائی۔ اس میں خاص طور سے حکیم عبیداللہ قاسمی، جناب اقبال احمد قاسمی اور پروفیسر خالد زماں خان، پروفیسر ملک وامق امین خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ سبھی حضرات نے آپ کے سانحہ ارتحال کو ایک عظیم نقصان قرار دیا۔ حکیم اقبال احمد قاسمی نے حکیم صاحبؒ کی زندگی پر روشنی ڈالی اور حاضرین کو حکیم صاحبؒ کی زندگی کے ان گوشوں کو اجاگر کیا جن کو سب لوگ نہیں جانتے تھے۔ خاص طور سے آپ کا تعلق حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے تھا۔ حضرت آپ کو بہت ہی عزیز رکھتے تھے اور آپ حضرت کے خلفاء میں سے تھے۔ مولانا عبیداللہ صاحب قاسمی نے اپنے تاثرات میں فرمایا کہ حکیم صاحبؒ کے اوپر دارالعلوم کے ہونے والے جھگڑے کا کوئی اثر نہیں تھا، کیونکہ آپ اپنی گفتگو میں غیر حاضر کے ذکر سے گریز کرتے تھے۔

آپ کی زندگی ایک نمونہ تھی۔ دارالعلوم میں آپ کو ہمیشہ خوش لباس دیکھا۔ پروفیسر خالد زماں خان نے کہا کہ میں آپ کا شاگرد تو نہیں رہا، لیکن آپ کے شاگردوں سے آپ کے بارے میں مستقل سنا ہے۔ آپ نے جامعہ طبیہ کو ایک اچھا ادارہ بنانے میں اہم رول ادا کیا ہے۔ یہ جلسہ آپ کی مغفرت کی دعا کرتا ہے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام کیلئے دعا گو ہے اور پسماندگان کیلئے صبر جمیل کی دعا کرتا ہے۔ اس کے بعد مولانا عبیداللہ قاسمی کی دعا پر جلسہ اختتام کو پہنچا۔

پروفیسر خالد زماں خان
شعبۂ کلیات اجمل خان طبیہ کالج
اے ایم یو، علی گڑھ

تعزیتی مکاتیب

عزیز محترم محی الدین طیب دام لطفہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

محترم عزیز الرحمٰن صاحب اعظمیؒ کے انتقال پر ملال پر میں اور میرا پورا گھر متاثر و مغموم ہے۔ آپ کے تو وہ سرمایہ حیات ہی تھے، آپ کا کیا حال ہوگا۔

دل کے جانے کا شہیدی حادثہ کچھ ایسا نہیں
کچھ نہ روئے آہ گر ہم عمر بھر رویا کئے

ہمارے گھر کے بھی وہ ایک فرد تھے، ہر چند چاہا کہ تعزیت کے سلسلہ میں تسلی کے لئے چند کلمات لکھ دوں، مگر خیال ہوا کہ آپ جیسے علمی خانوادہ کو صبر کی تلقین کرنا آفتاب کو چراغ دکھانا ہے... عزیز محترم! حسب دستور لوگ تعزیت کے سلسلہ میں مرنے والے علمی عملی واخلاقی فضائل بیان کرتے ہیں اور لکھتے ہیں۔

اس سلسلہ میں بھی اپنی کم مائیگی سدِ راہ بنی رہی اور پھر مرحوم کے بلند پایہ علمی وعملی کمالات کے سامنے یہ سوچ کر قلم رکھ دیا کہ وجہ صفت کند قاریِ ناتمام

موصوف محترم غضب کے ذہین وذکی انسان تھے۔ مختلف علوم وزبان میں ان کو تبحر تھا، اپنی تیزی طبع اور آزادانہ فطرت کی وجہ سے وہ کسی ماتحت وتابع بن کر نہیں رہ سکتے تھے وہ بقول شاعر۔

عنقا شکار کس نشود دورم باز چیں

کے مصداق تھے۔ مگر مشیت الٰہی کی زنجیر سب کے پیروں اور ارادوں پر پڑی ہے۔ قلب انسانی تو قطب القلوب کے فیصلہ قدرت میں گرفتار ہے۔ سعادتِ ازلی کشاں کشاں ان کو دربار خدمت مصلح الامتؒ میں لائی۔ پھر چشم فلک نے دیکھا کہ موصوف محترم نے اپنے تمام

علمی کمالات کی بساط کو تہہ کر دیا اور حضرت اقدس سرہٗ کے قدموں پر نثار ہو گئے۔ گویا ایسا ہوا۔

دل و عقل از جلد او خیرہ
تن و جان از کمال او خیرہ

بس حضرت اقدس علیہ الرحمہ کے قدموں پر نثار ہو گئے اور ایک طویل عرصہ تک اپنے آپ کو ایک ایسی ہستی کے سپرد کر دیا، جنکی صحبت و تربیت کے متعلق حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا عبدالرحمٰن بیخود سے فرمایا تھا کہ یہ حضرت صاحب جذب ہیں، کامل ہیں۔ مادرزاد ولی ہیں ذرا ڈر کے رہنا، تربیت اور اصلاح میں بہت سخت ہیں، لیکن ان کی تربیت بہت موثر ہے۔

مگر باین ہمہ موصوف محترم مرحوم

حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے تربیتی ردعمل، داروگیر، محاسبہ و مواخذہ کے مختلف نشیب و فراز سے یہ کہتے ہوئے گذر گئے:

خون دل پینے کو لخت جگر کھانے کو　　یہ غذا ملتی ہے جاناں تیرے دیوانے کو

حضرت والا کی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں پکڑ دھکڑ کے قصے مزے لیکر سناتے تھے اور ہنستے بھی تھے، روتے بھی تھے، رلاتے بھی تھے۔ تربیت پر مشتمل خود اپنا ایک واقعہ و حال سناتے تھے کہ ابتدائی ایام میں تربیت و مواخذہ کے کسی موقع پر حضرت والا کو یہ احساس ہوا کہ کہیں خانقاہ اور خانقاہی نظام سے مجھ سا آزاد بخش انسان دل برداشتہ نہ ہو جائے، مجھے طلب کیا گیا اور نہایت شفقت آمیز انداز میں تسلی کے کلمات کہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اس انداز فہمائش سے میں سمجھ گیا کہ حضرت اقدسؒ کو کس چیز کا خطرہ ہے، میں حضرت والا سے وفور جذبات سے مغلوب ہو کر دست بدستہ عرض کیا کہ حضرت!

اب اگر آپ عزیز الرحمٰن کو سڑک کے چوراہے پر گھما گھما کر ماریں گے پھر بھی عزیز الرحمٰن اس در کو چھوڑنے والا نہیں ہے، حضرت کا جوتا میرے سر کے لئے فخر کا باعث ہے۔ فنائیت ہستی کی اب ایسی مثال کم یاب نہیں تو نایاب ضرور ہے۔ بقول شاعر ؎

موج خوں کہ سر سے گذر ہی کیوں نہ جائے　　آستانِ یار سے اٹھ جائیں کیا ؟

عزیزم! حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حکیم صاحب مرحوم کی آمد اور شرف ملاقات کا نقشہ میرے ذہن میں اس طرح سمایا ہوا ہے کہ حضرت نجم الدین کبریٰؒ کو غیبی بشارت و ہدایت ہوئی کہ فلاں شخص کے تین بچوں میں سے ایک بچہ کی تربیت کرو اور ان بچوں میں ایک حافظ شیرازی تھے، ان کی صورت دکھائی گئی، چنانچہ حسب ہدایت تشریف لائے اور ان صاحب سے فرمایا کہ اپنے تینوں بچوں کو بلایئے اور ملاقات کرایئے۔

مگر چونکہ حافظ شیرازیؒ عجیب رنگ وڈھنگ اور رندانہ مشرب انسان تھے۔ جنگلوں میں گھوما پھرا کرتے تھے، اس لئے والد محترم نے اپنے دو لڑکوں کو بلایا اور ملاقات کرائی، مگر حافظؒ کو نہیں بلایا۔ حضرت نجم الدین کبریٰؒ نے فرمایا کہ کوئی اور بھی لڑکا ہے؟ والد محترم نے ٹالنا چاہا مگر حضرت کے اصرار پر حافظ شیرازیؒ تشریف لائے اور نظر سے نظر ملتے ہی حافظؒ صاحب نے فرمایا کہ:

آناں کہ خاک را بنظر کیمیا کنند　　آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

یہ کہنا تھا کہ حضرت نے سینہ سے لگالیا اور فرماتے رہے کہ کنم۔ کنم پھر جیسا کہ معلوم ہے کہ حافظؒ کس مقام و مرتبہ پر فائز ہوئے۔

بزرگوں کی نظر معمولی دولت وسعادت پر نہیں ہے، ان نفوس قدسیہ کی صحبت یک ساعت ہما کے اس سایہ کی طرح ہے کہ جس پر پڑ جاتا ہے وہ یا تو بادشاہ ہو جاتا ہے یا درویش۔ یہ مقولہ مشہور ہے۔ حکیم صاحب مرحوم پر بھی حضرت مصلح الامتؒ کی نگاہِ انتخاب پڑ چکی تھی اور وہ نظر اپنا کام کرتی رہی، مختلف مراحل و مراتب طے کرتے رہے۔ بالآخر حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو دیوبند بھیجا۔ وہاں بھی تمام علماء کے نورِ نظر بنے رہے۔ علامہ بلیاویؒ کے مخصوص و مقرب تھے۔ علامہؒ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کے چند خطوط حضرت مصلح الامت کے نام طبع ہو چکے ہیں وہ تمام خطوط..... حکیم صاحب مرحوم ہی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔ علامہؒ اپنا مدعا چند الفاظ میں بتادیتے، بس مرحوم تھوڑی ہی دیر میں حسب منشا خط لکھ کر پیش کر دیتے۔

عزیزم! میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اس نظر نے ایک انقلاب پیدا کر دیا تھا اور صوفیانہ ومتوکلانہ رنگ چڑھ گیا تھا۔ بس ہمارے حضرت والا ہی کی بات کرتے اور ان کے تذکرہ سے ان پر مسرت و جوش ونشاط کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ ہائے افسوس ایسے جامع الصفات سچے ومخلص انسان سے حضرت مصلح الامتؒ کی بزم خالی ہوگی۔

اب ڈھونڈ انھیں چراغ رخِ زیبائے کر

عزیزم! بہرحال دنیا دار فانی ہے، کیسے کیسے صاحب کمال و جمال آئے اور اسی خاک کے نیچے پنہاں ہو گئے انشاء اللہ تعالیٰ آخرت میں دائمی ملاقات ہم سب سے ہوگی، اللہ تعالیٰ آپ سب کو صبر وسکینت عطا فرمائے اور مرحوم کو اپنا قرب خاص نصیب فرمائے آمین۔

آسماں ان کی لحد پہ شبنم افشائی کرے   سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

فقط والسلام

(حضرت مولانا قاری) محمد مبین غفرلہٗ

مخدوم گرامی قدر حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی دامت برکاتہم
مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب اعظمی کا سانحہ وفات میرا خود ذاتی حادثہ ہے، حکیم صاحب میرے محسنوں میں تھے، میں اکثر و بیشتر ان سے مشورہ کیا کرتا تھا، اور وہ اپنے مفید مشوروں سے مجھ کو نوازتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے کہ میں آپ کے لئے برابر دعا گو رہتا ہوں، ان کے اس جملہ سے مجھے بہت تقویت ملتی تھی، اور ان کے مشفقانہ برتاؤ سے دل ان سے قریب ہوتا تھا۔

حضرت مولانا حکیم عزیز الرحمٰن صاحب اعظمی کی ذات اپنے عہد کی ایک ممتاز شخصیت تھی، انہوں نے علمی اور دینی خدمات کے ذریعہ سے اہل علم کے حلقہ میں خاصی مقبولیت حاصل کر لی تھی، ان کی تحریری کاوشیں لائق صد مبارک باد ہیں، اللہ رب العزت نے تدریسی مشغولیات میں تربیت و تعلیم کا موقع عنایت فرمایا اور اس کے بعد لغت نویسی، ترجمہ نگاری کے میدان میں بھی انہوں نے قابل قدر کام انجام دیا، اللہ رب العزت ان کی ان خدمات کا بہتر سے بہتر بدلہ عطا فرمائیں گے۔

حکیم صاحب کی زندگی اہل اللہ اور اولیاء کی قدر و عزت سے عبارت تھی، انہوں نے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کے بعد اپنے کو انہیں سے وابستہ کر لیا تھا، اور ہر کام میں انہیں سے مشورہ کرتے اور شاد کام ہوتے، ان کے بعد انکے اخلاف سے محبت و تعلق کا سلسلہ قائم رہا، یہ حکیم صاحب کی ایسی خوبی ہے جسکو اختیار کر کے نئی نسل صحیح رخ پر اپنے سفر کو جاری رکھ سکتی ہے، اور منزل مراد تک پہونچ سکتی ہے، انہوں نے پوری زندگی وقت کی قدر پہچانی اور صحیح مصرف میں اس کو استعمال کیا، یہی وجہ ہے کہ وہ اتنا بڑا علمی سرمایہ چھوڑ گئے جو بیش قیمت بھی ہے اور قابل استفادہ بھی۔

ہم آنجناب کی خدمت میں دلی تعزیت پیش کرتے ہیں، مزید اپنے دل سے مخاطب ہیں۔

یا نفس أجملی جزعا ماکنت تحذرین قد وقعا

اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائیں اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائیں، اور آنجناب کو صبر جمیل عطا فرمائیں، آمین۔

عبد الحمید ندوی

امام و خطیب مسجد اسلام، دبئی، امارات

حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی صاحب

چانسلر انٹیگرل یونیورسٹی و مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

آج بروز مؤرخہ ۱۰/ستمبر ۲۰۰۹ء مطابق ۱۹/رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ کو آپ کے برادر عزیز جناب حکیم عزیز الرحمٰن اعظمی کی ناگہانی رحلت کی خبر سن کر ہم اور یونیورسٹی کے تمام اساتذہ وطلباء انتہائی رنج وغم میں ڈوب گئے ہیں۔ مرحوم انتہائی ملنسار، قابل احترام مصنف اور نباض حکیم تھے۔ انکا عظیم الشان شاہکار ٹرائی لنگول ڈکشنری ایک زبردست کام ہے۔ مرحوم نہایت ایماندار اور جملہ صفات سے مزین تھے۔ انکی ناگہانی موت سے بڑا خلا پیدا ہوگیا ہے، ہم سبھی لوگ بارگاہ خداوندی میں مرحوم کی مغفرت اور جنت الفردوس میں بلند درجات کے لئے دست بدعا ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اپنی بے شمار رحمتوں سے نوازے، اور انکے پسماندگان کو صبر جمیل عطاء فرمائے۔

آمین

سید وسیم اختر

وجملہ انٹیگرل فیملی

استاذ محترم حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب اعظمی ندوی دامت برکاتہم
چیف ایڈیٹر البعث الاسلامی، مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مخدوم ومحترم حضرت مولانا حکیم عزیز الرحمٰن اعظمی نوراللہ مرقدہ کے سانحہ انتقال سے میں ذاتی طور پر بہت محزون وغمگین ہوں۔

اس حادثہ سے میرے قلب ودماغ پر بہت گہرا اثر پڑا ہے، حکیم صاحب کا سانحۂ ارتحال پوری ملت اسلامیہ کا ناقابل تلافی خسارہ ہے، ان للہ ما أعطی ولہ ما أخذ

حضرت حکیم صاحب ایک علمی وعالمی شخصیت کے مالک تھے، وہ بہت مردم شناس اور مردم ساز تھے، علوم اسلامیہ کے ساتھ ساتھ علوم عصریہ کے حصول پر بہت زور دیتے تھے، وہ انتہائی بااخلاق وبامروت انسان تھے، ان کی مجلس میں تعلیم وتعلم پر ضرور گفتگو ہوتی تھی، وہ تعلیم کو کامیابی کی شاہ کلید کہتے تھے۔ اپنے ملنے جلنے والوں کو وہ ہمیشہ یہ مشورہ دیتے تھے کہ بچوں کی تعلیم وتربیت پر دھیان دینا ضروری ہے۔ انکی پوری زندگی جہد مسلسل، عبادت وریاضت، تعلیم وتربیت اور خلوص وللّٰہیت سے عبارت تھی، ہر حال میں صبر وشکر ان کا شیوہ تھا۔ وہ بلاشبہ ایک ماہر نباض اور طبیب صادق تھے، علم وفن کے ہر پہلو پر ان کی نگاہ ہوتی تھی، ان کی گفتگو، تواضع، مہمان نوازی اور بود وباش کی سادگی کو دیکھ کر سلف صالحین کی یاد تازہ ہوجاتی تھی۔

برادر محترم مولانا طیب صاحب سے دوستی وتعلق کی وجہ سے بھی راقم الحروف سے شفقت ومحبت کا معاملہ کرتے تھے، بنارس میں قیام کے زمانہ میں مستقل بیمار رہتا تھا، اس وقت ان کے مشورہ سے مجھے بہت فائدہ پہونچا، میری ترقی کے سلسلہ میں بھی مستقل فکر مند رہتے تھے، دارالعلوم ندوۃ العلماء آنے سے ان کو بہت خوشی ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائیں اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں۔

(مولانا) نیاز احمد ندوی
(استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

محترم المقام حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی صاحب
حفظه الله ورعاه، ونفع به الاسلام والمسلمين
(مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

گذارش خدمت اقدس میں یہ ہے کہ حضرت مولانا حکیم عزیز الرحمٰن صاحب نور اللہ مرقدہ کی وفات کی خبر سن کر سخت صدمہ پہونچا، انا للہ وانا الیہ راجعون/ تغمده الله بواسع رحمته، يدخله فسيح جناته، فلله ماأخذ، وله ماأعطى، وكل شيئ عنده بمقدار۔

حضرت حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہم خوردوں پر بڑی شفقت فرمایا کرتے تھے، ان کا ہنس مکھ چہرہ، سلام میں سبقت، اور دارالعلوم دیوبند کی مسجد میں بارش اور سردی کے باوجود صف اول میں باجماعت نماز پڑھنا ہمیشہ یاد رہے گا۔

مرحوم ازراہ شفقت کبھی کبھی ہمارے دارالاقامہ (افریقی منزل جدید) قبل فجر رخ کرلیا کرتے تھے، اور فجر میں بیدار کردیا کرتے تھے۔ میں نے سوچا تھا کہ فقہ اکیڈمی کے اجلاس (منعقدہ کلچرل ہاؤس دہلی) میں حاضر خدمت ہوکر تعزیت کرونگا، لیکن اپنی علالت طبع کی وجہ سے ایسا نہ کرسکا، تیسرے دن حاضری ہوئی تو شاید آپ جاچکے تھے۔

اللهم اغفر للشيخ عزيز الرحمن وارحمه، وعافه، واعف عنه، وأكرم نزله، ووسع مدخله، واغسله بالماء والثلج والبرد، ونقه من الذنوب والخطايا كما ينقى الثوب الأبيض من الدنس، اللهم جازه بالحسنات احساناً، وبالسينات عفواً وغفراناً، وألهم ذويه الصبر والسلوان۔

دعوات صالحہ میں یادآوری کا خواستگار ہوں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ
ڈاکٹر عزیر احمد قاسمی

جنرل سکریٹری مرکزی جمعیۃ علماء ہند

مخدومی حضرت والا دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔

حکیم صاحبؒ کے انتقال کی افسوسناک خبر موصول ہوئی، انا للہ وانا الیہ راجعون، یہ خبر انتہائی رنج والم کے ساتھ سنی گئی۔ حکیم صاحبؒ طبیب حاذق اور انتہائی مخلص انسان تھے۔ آنجناب کیلئے اور ہم خدام کیلئے اور پوری طبی دنیا کیلئے یہ ایک بڑا حادثہ ہے۔ رب کریم حکیم صاحبؒ کے درجات بلند فرمائے اور اہل خاندان کو صبر جمیل۔ فصبر جمیل واللہ ھوالمستعان۔

اس عاجز کی طرف سے پرخلوص تعزیت قبول فرمائیں۔

محمد کلیم صدیقی (ناظم اعلی)

پھلت، مظفرنگر

جامعۃ الامام ولی اللہ الاسلامیۃ

حضرت محترم مولانا سعید الرحمٰن صاحب زید مجدکم السامی!

سلام مسنون

میں ۱۸/اگست سے غیر ملکی سفر میں تھا، آج ہی واپسی پر آں مکرم کے برادر اکبر اور ہم سب کے محترم بزرگ حضرت مولانا حکیم عزیز الرحمٰن صاحب نور اللہ مرقدہ کے حادثہ وفات کی وہ اندوہناک خبر ملی جس کا دھڑکا لگا ہوا تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ میری بدقسمتی ہے کہ آں مکرم سے تو آج تک شناسائی ملاقات نہ ہوسکی، تاہم حضرت حکیم صاحبؒ سے تو اپنے بچپن سے آج تک تقریباً ۴۰/سال کا طویل عرصہ عجیب وغریب واقعات، رنج وغم، مسرت وانبساط، مختصر وطویل نشست وبرخاست، ملک وبیرون ملک ملاقاتوں، مجلسوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔

خانوادۂ انورؒ اور آں محترم کے والد گرامی قدر علیہ الرحمہ نیز آپ سب کے مابین حضرت حکیم صاحبؒ کی شخصیت کو بلاشبہ تعلقات کی مضبوطی واستواری میں بڑا دخل تھا۔ حضرت حکیم صاحبؒ نے کبھی بھی ان روابط کو مضمحل نہیں ہونے دیا، دیوبند کے زمانہ قیام میں حضرت حکیم صاحب کی والد مرحوم نیز تائے ابا مولانا سید ازہر شاہ قیصرؒ کے ہمراہ علمی مجالس حکیم صاحبؒ کی رفتار وگفتار، ان کا زعفران زار مزاج، موقعہ بموقعہ پھڑکتے ہوئے اشعار، بے تکلف عادات واطوار ایک ایک ادا، ایک ایک انداز نگاہوں کے سامنے گھوم گئے۔ متعدد مرتبہ ''دبئی'' میں ملاقات کا شرف حاصل ہوا، والد مرحوم کی رہائش گاہ پر تشریف لاتے، پھر مصنوعی غصہ کرتے اور کم از کم ایک وقت کھانے کی دعوت دیتے، اور ہم اس خوشی میں کہ بھاری بھرکم اور بوجھل سے ماحول میں کچھ لمحات حکیم صاحب کے معیت میں خوشگوار گذر جائیں گے پہنچ جاتے۔ والد محترم کی ذات سے تو گویا دارالعلوم کے قضیہ کے بعد ان کو عشق سا ہوگیا تھا، وہ خود بیمار، نحیف ونزار مگر اس کے باوجود والد مرحوم کی بیماری میں محترم مولانا ریاض صاحب زید کرمہ کے ہمراہ دیوبند تشریف فرما ہوئے۔ اور والد مرحوم سے فرمایا کہ ''صرف تمہیں دیکھنے آیا ہوں''

اللہ اکبر۔ حضرت امام العصر علامہ کشمیری کی تصنیف ''خاتم النبیین'' کا اردو ترجمہ کر کے حکیم صاحبؒ نے ان قدیم روابط وتعلقات کی خوبصورت ودیدہ زیب داستان پر مہر تصدیق ثبت فرمادی تھی، مزاج میں انتہائی نزاکت ونظافت، ہر چیز میں ایک قرینہ وسلیقہ، جس کا مظاہرہ اپنی موت پر بھی کیا اور قدرت نے بھی اپنے محبوب ومقبول بندے کی تمنا پوری کی کہ بہترین زمانہ اور وقت یعنی ماہِ رمضان کا انتخاب اپنے آخری سفر کے لئے فرمایا، یقین ہے کہ حق تعالیٰ نے اس کی رعایت اخیر تک یعنی جنت الفردوس میں مقام اعلیٰ تک فرمائی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ آں مکرم کو صبر کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین!

برادر عزیز مولانا طیب صاحب احقر کے ہم درس ہیں، ان کی خدمت میں بھی تعزیت مسنونہ پیش ہے۔ خدا کرے کہ آں محترم بخیر وعافیت ہوں۔

والسلام مع الاحترام

ابن الانظر سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری

معتمد جامعہ امام محمد انور شاہ، دیوبند

مخدوم ومکرم حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب اعظمی ندوی زید مجدکم

(مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تعمیر حیات کے تازہ شمارہ سے آپ کے برادر معظم حضرت مولانا حکیم عزیز الرحمٰن صاحب قاسمیؒ کے سانحۂ ارتحال کی روح فرسا خبر ملی۔ مرحوم پاکباز، ملنسار اور خوش اخلاق رجالِ علم میں شمار ہوتے تھے۔ انہوں نے درس وتدریس کے ساتھ اپنی درجنوں تصانیف کے ذریعہ علوم ومعارف کی اشاعت کا فریضہ انجام دیا۔ مختلف زبانوں میں اپنے افکار وارشادات سے ملت کو فکر وآگہی بخشی۔ شعر وادب کے ذریعہ فکر اسلامی اور تعلیمات دین کو عام کیا۔ طب وحکمت کے ذریعہ خلقِ خدا کی بے لوث خدمت انجام دی۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ایوب صاحب اعظمی قدس سرہ کے علمی، دینی، دعوتی مشن پر تادم زیست کاربند رہے۔ اپنی خوش خلقی، سادگی، ملنساری، دردمندی جیسے اوصافِ گراں مایہ کی بدولت عوام وخواص میں مرنجاں مرنج محبوب ومقبول رہے۔

حق تعالیٰ ان کو اپنے فضل ورضوان سے شاد کام فرمائیں۔ اور جنت الفردوس کے اعلیٰ درجات سے سرفراز فرمائیں۔ پسماندگان صبر وشکیبائی کی دولت سے مالا مال ہوں۔

جامعہ میں متعدد بار قرآن خوانی کے بعد ایصال ثواب کیا گیا۔ مرحوم کی روح پرفتوح کیلئے دعا کی گئی۔ جملہ خدام جامعہ کی جانب سے تعزیت قبول فرمائیں۔ آپ کے شاگرد مولوی خلیق الرحمٰن ندوی ودیگر اساتذہ سلام عرض کرتے ہیں۔

والسلام

مفتی جلیل الرحمٰن قاسمی

(مہتمم جامعہ رحمانیہ عربیہ ہاپوڑ، یوپی)

مخدوم ومکرم گرامی قدر جناب حضرت مولانا سعید الرحمٰن اعظمی صاحب مدظلہ العالی

مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے بھائی حضرت مولانا حکیم عزیز الرحمٰن صاحبؒ کی وفات کی خبر ملی، جس کو سنکر بہت زیادہ دکھ اور غم ہوا۔ اللہ ان کو غریق رحمت فرمائے اور ان کو اپنی خاص رحمتوں میں جگہ دے۔ آمین

حضرت حکیم صاحبؒ کی وفات سے علمی حلقے میں ایک بہت بڑا خلا پیدا ہوا ہے جس کا پُر ہونا بہت مشکل ہے، حضرت حکیم صاحبؒ کو اللہ تبارک وتعالی نے بہت زیادہ خوش مزاج اور با اخلاق اور عالی ظرف بنایا تھا، وہ علمی شخصیات میں اپنی ایک الگ شناخت رکھتے تھے اور منفرد شخصیت کے مالک تھے، ان سے لوگوں نے حکمت کے اندر بھی استفادہ کیا ہے اور علم کے اندر بھی، اللہ ان کو کروٹ کروٹ آرام نصیب فرمائے۔ آمین

آپ کو اور آپکے عزیزوں کو جو صدمہ پہنچا ہے وہ یقیناً بہت بڑا صدمہ ہے اس غم میں ہم آپکے برابر کے شریک ہیں اللہ آپ کو اور آپکے اعزا واقرباء کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

ان کا دنیا کو خیر باد کہنا اللہ کو منظور تھا اور انسان اللہ کی مرضی کے سامنے کر بھی کیا سکتا ہے، صرف صبر ہی ایک ایسی چیز ہے جس کے ذریعہ مومن سہارا لیتا ہے اور مؤمن کی حقیقت بھی یہی ہے کہ وہ اللہ کے فیصلوں پر راضی رہے۔

ہم خدام مدرسہ بحر العلوم نے آنجناب کے سانحہ ارتحال پر ایک تعزیتی پروگرام کیا ہے اور قرآن خوانی کر کے ایصال ثواب بھی کیا ہے اور ایصال ثواب کا یہ سلسلہ انشاء اللہ برابر جاری رہے گا اور دیگر مدارس میں بھی دعائیں کرائی گئی ہیں۔

اللہ آپکو صحت وتندرستی کے ساتھ لمبی عمر عطا فرمائے آمین اور دیر تک آپ کا فیض جاری وساری فرمائے۔ آمین

مدرسہ ہذا کے اساتذہ آپکی خدمت میں سلام عرض کرتے ہیں، قبول فرما کر بیکراں احسان فرمائیں۔

والسلام

محمد صابر وارا کین مدرسہ بحر العلوم کشن پور ضلع مظفر نگر، یوپی

یکم ذی قعدہ ۱۴۳۰ھ

مخدومی گرامی حضرت الاستاذ دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج عالی:

حضرت حکیم عزیز الرحمٰن صاحبؒ کے حادثۂ وفات کی اچانک خبر موصول ہوئی۔ اِنا للہ واِنا اِلیہ راجعون، حکیم صاحبؒ کی وفات آنجناب کیلئے اور آپ کے خانوادہ کیلئے ایک بڑا حادثہ ہے، فصبر جمیل، واللہ ما أعطی ولہ ما أخذ، اس غمناک موقع پر ہم آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں، اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند فرمائے، ہماری طرف سے پرخلوص تعزیت قبول فرمائیں۔

جامعہ میں ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کا اہتمام کیا گیا۔

والسلام

(مولانا ڈاکٹر) محمد طاہر ندوی

مہتمم جامعہ الامام ولی اللہ الاسلامیۃ، پھلت مظفرنگر

محترم طیب بھائی! زید فضلکم

۱۹؍رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ مطابق ۱۰؍ستمبر ۲۰۰۹ء پنجشنبہ کی صبح یہ خبر انتہائی رنج وغم کے ساتھ سنی گئی کہ الحاج حکیم مولانا عزیز الرحمٰن کی عظیم شخصیت ہم میں نہیں رہی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

برفت از بزم عرفاں آں حکیمے
دگر دانائے راز آید کہ ناید

یقین جانئے کہ اس اندوہناک خبر سے طبیعت بہت متاثر ہوئی۔ حکیم صاحب آپ کے والد محترم تھے۔ آپ کا تعلق باپ اور بیٹے کا تھا۔ آپ کو جتنا غم ہوگا اس کا اندازہ مشکل ہے۔ گھر کے لوگوں پر جو گزری ہوگی قابل تصور نہیں۔ مزید برآں آپ کی غیر موجودگی اہل خاندان کے لئے اور بھی تکلیف دہ تھی۔

یہ ایک قومی وملی سانحہ ہے حکیم صاحب مرحوم جامع صفات وکمالات تھے۔ اس قسم کی عبقری اور نادر روزگار شخصیت کے گزرنے سے جو زبردست خلا پیدا ہوتا ہے اسکی تلافی نہیں ہو پاتی۔

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے ذروں سے انسان نکلتے ہیں

دارالعلوم دیوبند میں طالب علمی کے زمانہ میں ۱۹۶۵ء سے ۱۹۶۹ء تک آپکی سرپرستی سے بہت کچھ حاصل ہوا۔ گرچہ آپ طبیہ کالج کے استاذ تھے۔ لیکن درسی کتابوں کے اہم مسائل پر طلباء آپ سے استفادہ کرتے۔ حدیث، تفسیر، فقہ، ادب، اور علم طب میں اچھی بصیرت حاصل تھی۔ عربی وانگریزی لغات میں آپ کی دستگاہ قابل لحاظ تھی۔

موصوف حق گو، بیباک، وضع دار، وسیع المشرب، فراخدل ہونے کے ساتھ صوم وصلوۃ، تلاوت قرآن اوراردو وظائف کے پابند تھے۔ حضرت شاہ وصی اللہ صاحب نوراللہ مرقدہ کی نظر عنایت نے چار چاند لگا دیا۔ آپ اپنی مجلسوں میں کہا کرتے تھے: ”مجھے جو کچھ ملا وہ حضرت کی

خصوصی توجہ ہے، ورنہ دارالعلوم دیوبند جیسی عظیم درسگاہ کے عباقرۂ روزگار کے درمیان مجھ جیسے ذرۂ بے مقدار کی کیا حیثیت؟''

مئو، اعظم گڑھ اور قرب وجوار کے طلباء ہمیشہ استفادہ کے لئے حاضر رہا کرتے تھے۔ بلاتفریق طلباء واساتذہ کے لئے ضیافت کا باب کھلا رہتا۔ غالباً اپنی تنخواہ کا بیشتر حصہ خرچ کردیتے تھے۔

حکیم صاحب ماہر فن استاذ ہونے کے ساتھ صاحب علم بھی تھے۔ تصنیف وتالیف کا ذوق فطری تھا، کچھ کتابیں طبع ہوچکی ہیں، لغات حدیث کا کام جس کا تذکرہ بار بار کیا کرتے تھے آخری مرحلہ میں ہے۔

حکیم صاحب کی وفات صرف ایک گھرانے کے لئے باعث رنج وافسوس نہیں، بلکہ علمی حلقوں میں انکی کمی ہمیشہ محسوس کی جائیگی۔ علم کی مسندیں خالی ہوتی جارہی ہیں ان کو پر کرنے والے نظر نہیں آتے۔

آسماں! ہاں تو بھی روخون جگر روتا ہوں میں
نرگس نادیدہ تو بھی نوحہ کر با چشم تر
صفحہ ہستی پر گو باقی نہیں تیرا وجود
تو نے جو رو لے ہیں وہ تابندہ ہیں لعل وگہر

دانش گاہ ایجوکیشنل سوسائٹی محسن پورہ مئو کے اراکین واساتذہ کرام، معلمات، طلباء و طالبات موصوف کے پسماندگان خصوصا برادرانِ عزیز حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن الاعظمی الندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو، ڈاکٹر مسیح الرحمٰن پروفیسر انٹیگرل یونیورسٹی لکھنؤ کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور دعا گو ہیں کہ خداوند عالم مرحوم کی روح کو ہمیشہ تروتازہ رکھے اور اپنی رحمتوں کے پھول نچھاور کرے۔ آمین

شریک غم

(مولانا) نثار احمد قاسمی (ایم اے) مئو

گرامی قدر عزت مآب جناب حضرت استاذ محترم صاحب مدظلہ العالی
مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

السلام علیکم رحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

آپ کے بھائی حضرت حکیم عزیز الرحمٰن صاحب کے سانحۂ ارتحال کی خبر رمضان کے بعد ملی، بڑا رنج وغم احساس ہوا۔ ملت اسلامیہ ایک نابغۂ روزگار ممتاز عالم دین اور ایک مجرب حکیم سے محروم ہوگئی، یہ ناقابل تلافی خسارہ ہے۔

حضرت کی وفات رمضان المبارک میں ہوئی ہے، مغفرت تو انشاء اللہ ہو ہی جائے گی۔ یہ مہینہ تو مغفرت اور رحمتوں کا مہینہ ہے۔ اللہ ان کو اعلیٰ علیین میں جگہ عنایت فرمائے اور ان کی مغفرت فرما کر درجات بلند فرمائے۔ آمین

یہاں آپ کی زیر سرپرستی چلنے والے اداروں میں تعزیتی جلسوں کا اہتمام کیا گیا جن میں اساتذہ وطلباء اور بستی کے لوگوں نے شرکت کی اور قرآن پاک پڑھ کر حضرت حکیم صاحبؒ کیلئے ایصال ثواب کر دیا ہے اور انشاء اللہ آئندہ بھی ہوتا رہے گا۔ اللہ حضرت والا کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

یہاں ہم لوگ خیریت سے ہیں اور اللہ سے آپ کی صحت وتندرستی چاہتے ہیں اور ملت اسلامیہ کیلئے آپ کی لمبی عمر چاہتے ہیں۔ آمین

آپکا شاگرد

محمد یونس ندوی

مدیر الجمعیۃ الخیریۃ السعیدیۃ التعلیمیۃ، دھلی

مخدوم گرامی حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی الندوی دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

آنجناب کے برادرِ معظم حضرت مولانا حکیم عزیز الرحمٰن صاحبؒ کے سانحۂ ارتحال کی خبر رمضان المبارک میں ریاض میں "اردو نیوز" میں پڑھ کر بڑا افسوس ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

دار العلوم الاسلامیہ کھلنے کے بعد یہاں تحفیظ القرآن الکریم کے تمام درجات میں ختم قرآن کریم کرا کر حضرت حکیم صاحبؒ کی روح کو ایصال ثواب کیا گیا۔ اور رفع درجات کیلئے دعا کی گئی۔

بلاشبہ حضرت حکیم صاحبؒ کو خداوند قدوس کی جانب سے دل ودماغ کی غیر معمولی صلاحیت عطا ہوئی تھی، اور انہوں نے اپنی صلاحیت سے بھرپور فائدہ اٹھایا، انہیں عربی، اردو، فارسی اور انگریزی زبانوں میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ انہوں نے اپنی دیگر کتابوں کے علاوہ دو اہم لغات لکھ کر زبان وادب میں اپنا ایک اہم مقام بنایا جس کی وجہ سے علم وادب کی دنیا میں ان کا نام زندۂ جاوید ہوگا۔ انشاء اللہ العزیز۔

حضرت حکیم صاحبؒ کا مطالعہ بہت گہرا تھا، ان کی مجلس گوناگوں علمی معلومات سے زعفران زار ہو جایا کرتی تھی، وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ انہوں نے تصنیف وتالیف کا اتنا عظیم الشان کام انجام دیا جو ایک اکیڈمی انجام دیتی ہے۔

مولانا محمد باقر حسین صاحب دامت برکاتہم سے حضرت حکیم صاحبؒ کو قلبی تعلق تھا، دیوبند کے زمانۂ قیام میں مدرسہ امدادیہ مراد آباد کئی بار تشریف لائے اور قیام فرمایا اور مئو کے زمانۂ قیام میں دار العلوم الاسلامیہ بستی میں بھی قدم رنجہ فرمایا اور غیر معمولی مسرت کا اظہار فرماتے ہوئے دعاؤں سے نوازا۔

ہم بارگاہ الٰہی میں دست بدعا ہیں کہ خداوند قدوس حضرت حکیم صاحبؒ کو جنت الفردوس

میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور جناب والا اور دیگر پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت والد ماجد دامت برکاتہم بانی وصدر دارالعلوم الاسلامیہ اور یہاں کے طلباء، اساتذہ اور تمام کارکنان اس عظیم حادثہ پر آپ کے رنج وغم میں برابر کے شریک ہیں اور ہدیۂ سلام کے ساتھ تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہیں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

شریک غم

(مولانا) محمد اسعد قاسمی (صاحب)

ناظم دارالعلوم الاسلامیہ بستی۔یوپی

معظمی ومحترمی استاذی المکرم حفظکم اللہ تعالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ آپ بصحت وعافیت ہوں گے۔

آپ کے بڑے بزرگ بھائی کے انتقال کی اطلاع سے بے انتہا افسوس وصدمہ ہوا، اللہ تعالی انہیں غریق رحمت کرے اوران کے اعزہ واقرباء واہل خانہ کو صبر جمیل سے نوازے۔

یقیناً حکیم عزیز الرحمٰن صاحب علیہ الرحمۃ اللہ کے مخلص، نیک، اطاعت گذار بندہ تھے، جنہوں نے دین کی خدمت اور علم کی خدمت پورے تن من دھن سے انجام دی اور چوتھائی صدی سے زائد عرصہ تک دارالعلوم دیوبند کے طلباء کو اپنے علم سے سیراب کرتے رہے، اللہ نے انہیں سادگی، تواضع، انکسار اور للّٰہیت سے نوازا تھا، شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے تعلق کی وجہ سے وہ صوفی باصفا بھی تھے۔

مجھے بہت حیرت ہوئی کہ دارالعلوم دیوبند نے ابھی تک ان کی خدمات پر کوئی چیز شائع نہیں کی ہے اور نہ کوئی تعزیتی بیان جاری کیا، ویسے تو اللہ کے بندوں کو اس کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔

حکیم صاحب علیہ الرحمۃ کی خاموش علمی خدمات اس سے کہیں زیادہ ہیں، جس کا علم لوگوں کو ہے، وہ ایک طویل عرصہ تک خاموشی سے مفتی نظام الدین اعظمی علیہ الرحمۃ کے فتاوی کی زبان کی اصلاح وتصحیح کرتے رہے، مگر اس کا بہت کم لوگوں کو علم ہے۔ میں ان کیلئے دعا کرتا ہوں اللہ تعالی ان کو بلند درجات سے نوازے اور آپ کو صبر عطا فرمائے۔

والسلام

طالب دعا

امین عثمانی ندوی

اسلامک فقہ اکیڈمی، مخدومی انڈیا

محترمی جناب حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی حفظہ اللہ تعالیٰ ورعاہ
مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج عالی بخیر ہونگے۔

آنجناب کے برادر معظم حضرت مولانا حکیم عزیز الرحمٰن صاحب اعظمی کی وفات کی خبر پاکر دل بہت رنجور ہے، انا للہ ما اخذ، ولہ ما اعطی، وکل شئ عندہ الی أجل مسمی۔

حضرت حکیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی علمی ودینی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے، اللہ رب العزت نے ان کو گوناگوں صلاحیتوں سے نوازا تھا۔

مولانا حکیم عزیز الرحمٰن صاحب ابتداء تعلیم ہی سے خصوصا میرے اور عموما میرے اہل خانہ کے لیے بہترین مربی کی حیثیت رکھتے تھے، انہوں نے مجھے بہت سکھایا، میری بہترین رہنمائی فرمائی، اور مجھ میں ہمیشہ آگے بڑھنے کا حوصلہ پیدا کرتے رہے، براہ راست تو احقر نے ان سے کچھ نہیں پڑھا، مگر دارالعلوم دیوبند میں احقر کے قیام سنہ ۱۹۸۳ء ۱۹۸۹ء کے دوران ان کی خدمت میں بارہا جاتے رہنے کی وجہ سے حکیم صاحب سے مجھے بہت کچھ سیکھنے کا موقعہ ملا۔

حکیم صاحب مرحوم کے وصال سے احقر اور میرے اہل خانہ کو ذاتی صدمہ پہنچا ہے اور امت کا ناقابل تلافی خسارہ ہوا ہے، اور ہم سے اسلاف کی قابل تقلید روایت کا امین وپاسبان ہمہ جہت اور متنوع علوم وفنون کا جامع اور ماہر لسانیات، وطبیب حاذق رخصت ہوگیا۔

مرحوم باجماعت نماز کے اوقات کے بیحد پابند تھے، اور اخیر عمر میں بھی یومیہ پانچ پارہ کی تلاوت کا معمول رہا اور اوراد ووظائف کا کبھی ناغہ نہ ہونے دیتے تھے۔

اس گلی نے یہ سن کے صبر کیا　　جانے والے یہاں کے تھے ہی نہیں

والسلام

محمد شاہد اعظمی ادروی، مقیم کویت

محترم المقام استاد گرامی حضرت مولانا سعید الرحمٰن الأعظمی ندوی دامت برکاتھم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ کرے مزاج گرامی بخیر ہوں۔

حکیم مولانا عزیز الرحمٰن علیہ الرحمۃ کے انتقال پُر ملال کی خبر سے قلب ونظر کو گہرا صدمہ ہوا، مرحوم کی ذات عصر حاضر میں ایک بڑا سرمایہ تھی، ان کی تعلیمی و تصنیفی اور طبی خدمات نا قابل فراموش ہیں۔

ملت اکیڈمی اور جامعۃ الفیصل کے جملہ اساتذہ وکارکنان اور طلبہ وطالبات اس سانحہ پر قلبی دکھ کا اظہار کرتے ہیں، اور موصوف کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں، اللہ ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے، ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، ان کے مفید کاموں اور کتابوں کو قبول عام عطا فرمائے۔

ہم آپ کے دکھ میں برابر کے شریک ہیں۔

والسلام

آپ کا شاگرد

سراج الدین ندوی

ملت اکیڈمی، بجنور (یوپی)

سماحة الشيخ سعيد الرحمن الأعظمي / المحترم حفظه الله تعالى

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته .

وبعد :فقد بلغني عن طريق مجلة" الرائد" النصف الشهرية(١٧/٧-٥١/٦) أن المحقق الاسلامي والطبيب الأديب الشيخ عزيز الرحمن الأعظمي قد لبى دعوة ربه الكريم ، فانا لله وانا اليه راجعون ، اللهم اغفر خطيئاته وأنزل عليه شآبيب رحمتك ، واغمر من ورثه وخلفه بالصبر والعزاء ،آمين .

علمت فيما علمت خلال دراسة ما قا م به الشيخ المرحوم من مآثر علمية و أدبية أن سماحته كان من شعراء اللغات الثلاث: العربية والفارسية والأردية ، وبما أني أقوم باعداد دليل موجز عن الشعراء الهنود للعربية ، فأرجو من سماحتكم ارسال نماذج من كلامه العربي المنظوم من الحمد لله أو المدح لرسوله أو ما شابهه من الكلام .

ولكم مني جزيل الشكر

وأخلص لكم

د.أورنك زيب الأعظمي

الأستاد المساعد بقسم اللغات الغربية

والفارسية والأردية والدراسات الاسلا مية

بنغال الغربية

محترم المقام جناب مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن الاعظمی ندوی

مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء

السلام علیکم ورحمۃ اللہ علیہ وبرکاتہ

مزاج عالی!

گذشتہ دنوں عزیزم مولوی ابصار الحق قاسمی کے ذریعہ یہ اطلاع ملی کہ آبروئے مئو حضرت مولانا حکیم عزیز الرحمٰن اعظمی کی وفات حسرت آیات پر کچھ تأثراتی مضامین شائع ہو رہے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حکیم صاحب کی شخصیت کو اجاگر کرنے کے لئے یہ انتہائی مستحسن قدم ہے، ان کی شخصیت نئی نسل کے لئے عبرت و نصیحت کا ایسا مرقع ہے جو جہد مسلسل اور عمل پیہم کا جذبہ پیدا کرنے میں بہت معاون ہے اور انکی زندگی کے تمام پہلو قابل تقلید ہیں، اس مجموعہ کے ذریعہ حکیم صاحب کے رہن سہن، اخلاق و عادات، لین دین، عبادت و ریاضت، تصنیف و تالیف، طب و حکمت غرض ہر پہلو پر روشنی پڑے گی۔

دعا ہے کہ رب کائنات اس مجموعہ کو قبولیت سے سرفراز فرمائیں۔

محمد یحییٰ

سابق چیئرمین نگر پالیکا پریشد مئو

مخدوم گرامی قدر حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن الأعظمی ندوی دامت برکاتھم
مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء، وچانسلر انٹیگرل یونیورسٹی لکھنؤ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

مولانا ابصار الحق قاسمی صاحب کے ذریعہ یہ معلوم ہوا کہ ہمارے شہر ہی نہیں بلکہ ملک کی ایک مایہ ناز شخصیت حضرت مولانا حکیم عزیز الرحمٰن صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات وخدمات پر ایک مجموعہ تیار ہو رہا ہے، درحقیقت یہ کام لائق صد مبارکباد اور قابل تعریف ہے، مولانا حکیم عزیز الرحمٰن کی شخصیت علوم وفنون میں مہارت تامہ کی وجہ سے ممتاز تھی، وہ اللہ تعالی کے خصوصی فضل وکرم کا مظہر تھے، بزرگوں کی تربیت، علماء کی نگرانی اور اکابرین ملت کی توجہات وعنایات کی روشنی میں حکیم صاحب نے اپنی زندگی کو بیش بہا بنایا، پھر اللہ تعالی نے ان کو لوگوں کا مرجع بنایا، وہ نمونہ سلف تھے، ان کو دیکھ کر اللہ رب العزت کی یاد تازہ ہوتی تھی۔

امید ہے کہ اس مجموعہ سے حکیم صاحبؒ کی ہشت پہل زندگی پر بھرپور روشنی پڑے گی، اور یہ نئی نسل کے لئے خضر راہ ثابت ہوگا۔

والسلام

محمد طیب پالکی
حال چیئر مین نگر پالیکا پریشد مئو
۲۰۰۹/۱۲/۱۲ء